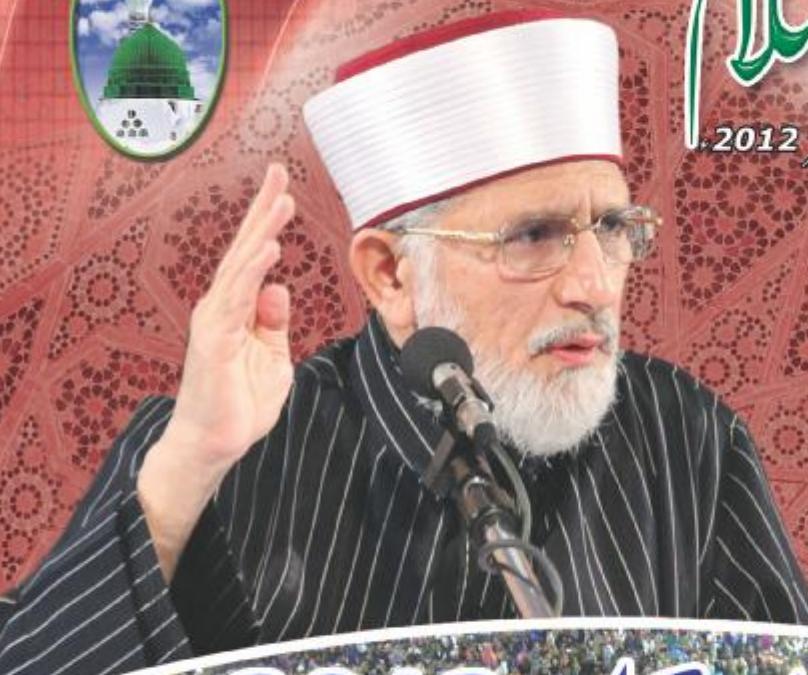
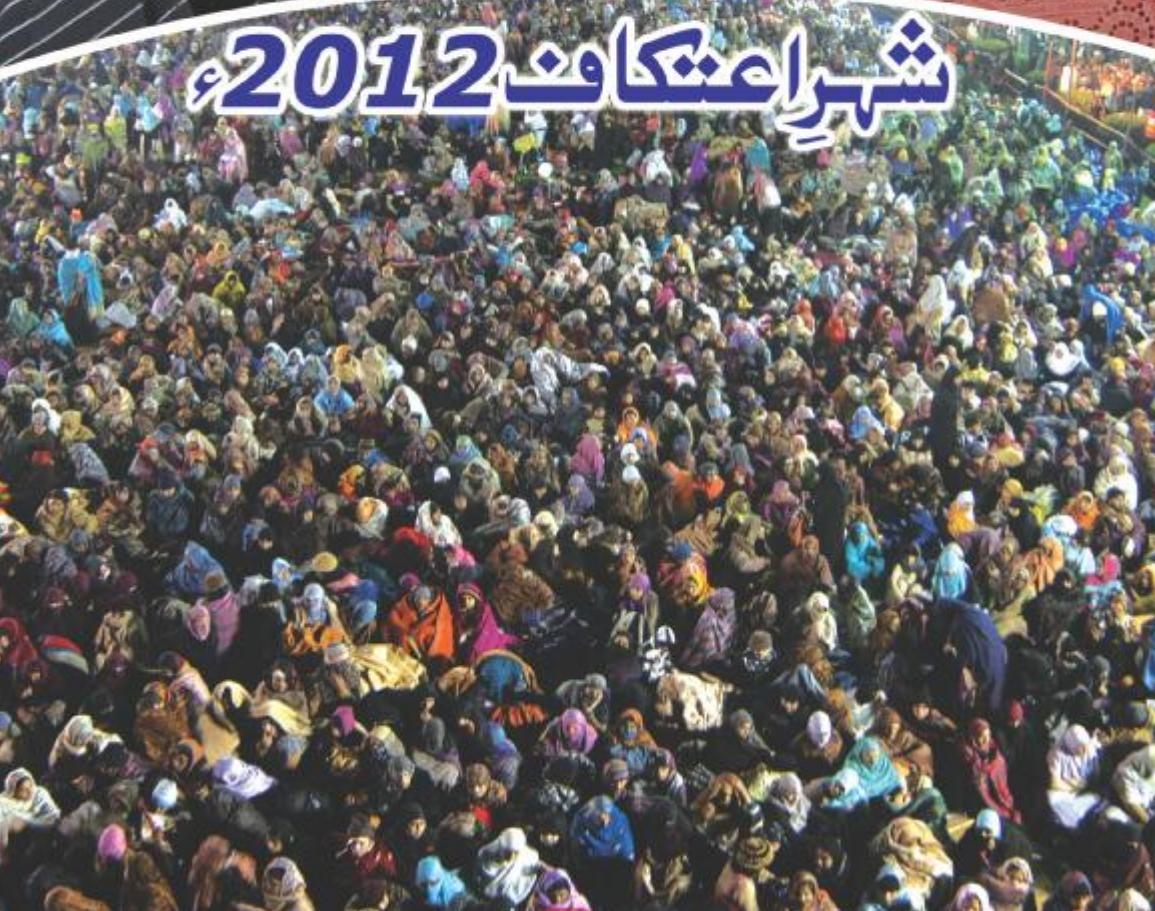


دخترانِ
لله عزوجل
ماہنامہ
تیر 2012



شروع شکوف 2012ء



فَرْمَانُ الْهِي

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَآخْتِلَافِ الْأَيْلَ
وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا
أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَاحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَائِيَةٍ وَتَصْرِيفُ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بِينَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لِكُلِّ إِلَيْهِ يَقُولُونَ وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَتَشَجَّعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُجْهِنُهُمْ كُحْبُ اللَّهِ
وَالَّذِينَ امْتُوا أَشَدَّ حُبًا لِلَّهِ طَوْلَوْبَرَى الَّذِينَ ظَلَّمُوا أَذْبَرُونَ
الْعَدَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَدَابِ.

(البقرة: ١٦٥-١٦٤)

”بے شک آسمانوں اور زمین کی تختیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اوکشتوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر پہنچتی ہیں اور اس (باش) کے پانی میں حسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ میں) جس میں اس نے ہر قسم کے جانو پھیلا دیے ہیں اور ہواوں کے رخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکم الہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) تخلیمدوں کے لیے (قدرت الہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک پھرہاتے ہیں اور ان سے ”اللہ سے محبت“ جیسی محبت کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت بی زیادہ محبت کرتے ہیں، اور اگر یہ ظالم لوگ اس وقت کو کچھ لیں جب (اخروی) عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا (تو جان لیں) کہ ساری قوتیں کا مالک اللہ ہے اور بے شک اللہ سے محبت عذاب دینے والا ہے ۰

(ترجمہ عرفان القرآن)

عن أبي أمامة رض قال: قيل: يا رسول الله، أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، وذر الصلوات المكتوبة، (رواوه الترمذى وأنساى). عن مغيرة بن شعبة ص أن النبي صل كان يقول في ذر كل صلاة مكتوبة وفي رواية للبخارى: أن رسول الله صل كان يقول في ذر كل صلاة إذا سلم. وفي رواية مسلم: كان إذا فرغ من الصلاة وسلام قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير. اللهم لا مانع لي ما أعطيت ولا ممعن لي ما منعت ولا ينفع ذالجحد منك الجدد. متفق عليه.

”حضرت ابو امامہ رض سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صل کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا: کس وقت کی دعا زیادہ سی جاتی ہے؟ آپ صل نے فرمایا: رات کے آخری حصے میں (کی گئی دعا) اور فرض نمازوں کے بعد (کی گئی دعا جلد مقبول ہوتی ہے) حضرت مغیرہ بن شعبہ رض سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صل ہر فرض نماز کے بعد یوں کہتا تھے اور بخاری کی روایت میں ہے: حضور نبی اکرم صل نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یوں کہتا تھے اور مسلم کی روایت میں ہے: جب آپ صل نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے تو اس کے بعد یوں فرماتے: نہیں ہے کوئی معبد و مکر اللہ تعالیٰ، وہ تھا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے اللہ! جسے تو دے اے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو رکے اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو تمیرے مقابلے میں دولت نفع نہیں دے گی۔“

(ما خواز امہماج التوی من الحدیث النبوی صل، ص ۳۲۱، ۳۲۰)

حمد باری تعالیٰ

نعت رسول مقبول ﷺ

شافع حشر، شاہ جہاں مصطفیٰ
دونوں عالم میں ہیں حکمران مصطفیٰ

ہو تیری قدرت کیا بیان
عاجز ہے انساں کی زبان

رابطہ بن گئے، واسطہ بن گئے
عبد و معبود کے درمیان مصطفیٰ

ہیں تیری عظمت کے نشان
کوہ و زمین و آسمان

وہ مزل بھی ہیں وہ مدثر بھی ہیں
پرده پوش غم عاصیاں مصطفیٰ

تیری کرشمہ سازیاں
صحرا میں ہیں چشمے روائیں

نام پیش کچھ سب سب تو نہیں
دل کی تسلیم ہیں بے گماں مصطفیٰ

یہ مہر و ماہ و کہشاں
دشت و بیباں، گفتاں

یہ بشر کیا ہیں تجھ پر ملائیک ثمار
یہ زمیں کیا ہے خم آسمان مصطفیٰ

آب رواں، سنگ گراں
آیات ہیں تیری عیاں

تن پر کہنہ یدا اور تاج شہی
ٹھوکروں میں تری دو جہاں مصطفیٰ

انسان کی مجبوریاں
معذوریاں، مہجوریاں،

ایک عجیبی میں اتنی جسارت کہاں
ہو مبارک ترا مدح خواں مصطفیٰ

خیرالوری محبوب ہے
قرآن ہے تیرا بیان

(مبارک مونگیری)

(ندیم نیازی)

لیوم قائد اعظم..... تجدید عہد کادن

حقیقی قیادت وہ ہوتی ہے کہ غیر بھی جن کی عظمت کردار کا اعتراف کریں۔ کچھ عرصہ قبل اخبارات میں ایک اہم خبر آپ نے پڑھی ہو گئی جس سے پوری قوم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جبکہ دوسری طرف بھارت میں غم و غصے کی نضا پیدا ہوئی تھی۔ جب بھارت کے سابق وزیر خارجہ اور بی بے پی کے رہنماء اور بھارت کے سابق وزیر خارجہ جمونت سنگھ کی کتاب ”Jinah and the partition of India“ مفترعام پر آئی جس نے بھارت میں تہلکہ مچا دیا۔ یہ کتاب 600 صفحات پر مشتمل ہے اور موصوف نے اسے پانچ سال کی محنت اور تحقیق کے بعد مکمل کیا ہے اس کتاب میں جو انکشافات کئے گئے انہوں نے پورے بھارت کو ہلاکر رکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جمونت سنگھ کی اس کتاب میں لکھی جانے والی حقیقت اور سچائی کو بی بے پی برداشت نہیں کر سکی اور انہیں فوری طور پر پارٹی سے نکال دیا۔ دوسری طرف گجرات کے بی بے پی کے انتہا پسند رہنماء زیندر مودی نے اپنی ریاست میں اس کتاب کے داخلے پر پابندی لگا دی۔ جمونت سنگھ کی کتاب کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1 - تقسیم ہند کے لیے محمد علی جناح کو بلا وجہ بدنام کیا گیا۔

2 - حقیقت یہ ہے کہ جواہر لعل نہرو نے اپنی ہٹ دھرنی کی وجہ سے الگ مسلم مملکت کے قیام کے لیے محمد علی جناح کو مجبور کیا۔

3 - بھارتی مغربی تاریخ دان اور میڈیا محمد علی جناح کو "لون" کے طور پر پیش کرتا رہا حالانکہ انکا کردار "ہیرو" کا تھا جسکی وجہ سے بھارت نے جناح کی عظمت کو سمجھنے میں غلطی کی۔

4 - محمد علی جناح، جواہر لعل نہرو اور سردار پیل سے زیادہ بڑے سیاسی رہنماء تھے۔

5 - جناح کو کئی مرتبہ گاندھی جی عظیم ہندوستانی قرار دے چکے ہیں جس سے انکی عظمت آشکار ہوتی ہے۔ اب یہ تھائق بھارتی حکومت، اپوزیشن اور عوام کو بھلا کب ہضم ہو سکتے تھے۔ لامحالہ مذکورہ کتاب کی رومنائی کے چند گھنٹوں بعد پورے بھارت میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا جس کے بعد جمونت سنگھ نے پریس کانفرنس کر کے یہ موقف اختیار کیا کہ جس دن ہم لکھنے پڑھنے، سوچنے اور برداشت کرنے کا سلسلہ ترک کر دیں گے اس دن ہم انتہائی قابلِ رحم قوم کی حیثیت اختیار کر جائیں گے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے بخوبی عیاں ہے کہ بھارت کی دونوں بڑی جماعتوں حکمران کا گھر اور اپوزیشن بی

بے پی نے جس طرح حق کا نعرہ بلند کرنے والے جسونت سنگھ کو تقید کا نشانہ بنایا اس سے ہندو ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے اور بجا طور پر اس امر کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے کہ قائدِ اعظم کی قیادت میں جنوبی ایشیا میں الگ وطن کا قیام کس قدر ناگزیر تھا؟

اس سے یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اپنے قلم کے ساتھ انصاف کرنے والی جسونت سنگھ جیسی اہم سیاسی شخصیت کے ساتھ حق گوئی اور بے باکی کی وجہ سے جب یہ سلوک روا رکھا جا رہا ہے تو عام مسلمانوں کے ساتھ مت指控 ہندو طبقات کا طرزِ عمل کیسا ہو گا؟۔

اس سے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا دعویٰ کرنے والی بھارتی حکومت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ بھارت میں کسی فرد واحد چاہے اس کا تعلق ہندو جاتی سے ہی کیوں نہ ہو کو اظہارِ رائے کی قطعاً آزادی حاصل نہیں ہے۔ تصریح نگاروں کے مطابق وقت نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ ہندو درحقیقت ایک ایسی مت指控 قوم ہے کہ جو کسی بھی صورت مسلمانوں کو برداشت کرہی نہیں سکتی ہے۔

27 رمضان المبارک کو دنیا کے نقشے پر ایک عظیم مملکت پاکستان نمودار ہوئی، دنیا کی تاریخ میں پاکستان کا قیام ایک مجرم سے کم نہیں۔ بلاشبہ پاکستان، دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا اور لاکھوں قربانیاں دے کر آئینیں اور جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں حاصل کیا گیا۔ اس الگ مملکت کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا اور پھر اس کی تعبیر بابائے قوم قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کی جنہوں نے بڑی جرات، استقامت اور پامردی سے پاکستان دشمنوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر اپنی پچاس سالہ کامیاب سیاست کے بعد اپنی ذہانت، جرات اور عمل پیغم کے نتیجے میں پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

11 ستمبر کو قائدِ اعظم کے یوم وفات کے موقع پر پوری قوم ان کی عظمت اور قیادت کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ قائدِ اعظم ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھے خود ایک مقصد کبھی نہیں رہے۔ لہذا ہمیں اس موقع پر تجدید عہد کرنا ہو گا کہ جس مقصد کے لیے پاکستان تعمیر کیا گیا تھا اس کی تکمیل کے لیے اب ہم قائدِ اعظم جیسی مخلص، باکردار، جرأت مند، محبِ وطن، بصلاحیت، ٹھر اور بے باک قیادت کو تلاش کر کے آگے لائیں گے تاکہ وہ دینِ اسلام اور اس کے نام پر حاصل کیے گئے ملک عزیز پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صفت میں لاکھڑا کرے۔

صبر کی فضیلت، برکات اور ثمرات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

(قطع اول)

ترتیب و تدوین: صاحبزادہ محمد حسین آزاد

معاونت: کوثر پروین، رو بینہ شاہین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّمَا يُؤْفَى الصَّابِرُونَ أَجْرًا هُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (الزمر، ۳۹:۱۰)

اللّٰہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا صبر کی فضیلت اور اسکی برکات و ثمرات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ آیت کریمہ جو میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللّٰہ جل جمدہ نے ارشاد فرمایا:

”بِلَا شَيْهٖ صَبَرَ كَرْنَے والوں کو ان کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا۔“ (عرفان القرآن)

یعنی مصائب و آلام پر صبر کرنے والوں کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ انہیں ان کا اجر بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔ گویا صبر پر جو اجر ملتا ہے۔ وہ حساب و کتاب سے بالاتر ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: یٰيٰهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلْوَةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (آل عمران: ۲: ۱۵۳)

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللّٰہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔“ (عرفان القرآن)

اسی طرح قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَعَمْ أَجْرُ الْعَوْلَمِيْنَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ (العنکبوت، ۲۹: ۵۸-۵۹)

”(یہ) عمل (صالح) کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہی تو گل کرتے رہے۔“ (عرفان القرآن)

معلوم ہوا جو لوگ صبر کرتے ہیں اور صبر پر عامل ہوتے ہیں تو صابر لوگوں کو ان کے اعمال پر اللّٰہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللّٰہ تبارک و تعالیٰ اپنے خاص محبوب اور مقرب بندوں

پر جب خصوصی نعمت کرنا چاہتا ہے اور اپنا کوئی خاص احسان فرمانا چاہتا ہے، ان کے درجے بلند کرنا چاہتا ہے، ان کو خصوصی احسانات اور نوازشات کے ساتھ بہرہ ور کرنا چاہتا ہے، انہیں خصوصی مقامات قرب کے ساتھ نوازا چاہتا ہے، انہیں اونچا اور بلند کرنا چاہتا ہے تو باری تعالیٰ اکثر و پیشتر ان پر کوئی مصیبت، کوئی پریشانی، کوئی رنج و ملال، کوئی دکھ، کوئی ایسی حالت طاری فرمادیتا ہے تاکہ یہ صبر کریں اور اس صبر کے مرحلے سے جب وہ گزرتے ہیں تو ان کے درجے اتنے بلند ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ ہزار ہا سال کی عبادتوں اور ریاضتوں سے بھی بلند نہیں ہوتے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک راز ہے اور اس راز کے ساتھ وہ اپنے ایمان والے اور محبت والے بندے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس تصویر کو انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حوالے سے بھی واضح کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی جا بجا اس کا حکم دیا ہے تاکہ مقریبیت اور محبوبیت میں اضافہ ہو۔ فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا. (النجم، ۴۸:۵۳)

”اور (اے جبیبِ مکرم! ان کی باتوں سے غمزدہ نہ ہوں) آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھئے بے شک آپ (ہر وقت) ہماری آنکھوں کے سامنے (رہتے) ہیں۔“
یعنی اگر ان طالموں نے نگاہیں پھیر لی ہیں تو کیا ہوا ہم تو آپ کی طرف سے نگاہیں ہٹاتے ہی نہیں ہیں اور ہم ہر وقت آپ ہی کو تکتے رہتے ہیں۔ (عرفان القرآن)

صبر کا اجر یہ ہے کہ جتنا صبر کرو گے اتنی ہی ہماری نگاہ شفقت تمہاری طرف جمی رہے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے انبیاء ﷺ پر اور اپنے مقرب اولیاء پر اور اپنے محبوب بندوں پر اپنی جانب سے ان کی شان اور ان کے حال کے لاائق کبھی کوئی بھول طاری فرماتا ہے۔ ان سے کوئی بھول کر داتا ہے۔ اور بھول ہر ایک سے اس کی شان کے لاائق ہوتی ہے۔ اور یہ بھول اور نسیان طاری فرمادیکر پھر ان پر پیار بھری گرفت کرتا ہے۔ جس میں سختی اور ناراضی نہ ہو۔ ان کے دلوں میں ندامت اور شرمندگی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اس ندامت کے نتیجے وہ نادم اور شرمند ہو کر اللہ کی بارگاہ میں روتے ہیں اور ان آنسوؤں کی برسات میں ان کے درجے بلند کرتا چلا جاتا ہے مگر ہم لوگ صبر کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہیں۔ اگر آگاہ ہوں تو ہماری زبانوں پر اور دلوں پر کبھی بھی شکوہ نہ آئے۔ درج ذیل چند مثالوں کے ذریعے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی تاکہ ہم انہیں اپنی زندگیوں میں عمل آرائیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو زمین میں خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةَ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ (البقرہ، ۳۰:۲)

”اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں“۔ (عرفان القرآن)

خلافت سے حضرت آدم ﷺ کو نوازنایہ کس کا فیصلہ تھا، اللہ تعالیٰ کا اور خلافت کہاں کی دینی تھی، زمین کی اور حضرت آدم ﷺ تھے کہاں جنت میں۔ اب قبل توجہ بات یہ ہے کہ خلیفہ زمین کا بنانا ہے اور رہتے جنت میں ہیں۔ یہ بات ایسی ہو گئی جیسے صدر پاکستان کا ہو اور اقامت و رہائش افریقہ کی ہو۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ نہیں ہو سکتا۔ لہذا چاہا کہ زمین کا خلیفہ بنانے کے لئے آدم ﷺ کو زمین پر بھیجے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم ﷺ کو یہ فیصلہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ اے آدم ﷺ تم اور تمہاری زوجہ محمد (حضرت) حوا (علیہا السلام) اس درخت کے قریب نہ جانا۔

وَلَا تَقْرِبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونُا مِنَ الظَّالِمِينَ۔ (البقرہ، ۳۵:۲)

”مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ حد سے بڑھنے والوں میں (شامل) ہو جاؤ گے۔“

یہ حکم دے دیا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا اور اس کا پھل نہ کھانا۔ ادھر شیطان آگیا اس نے حضرت آدم ﷺ سے کہا کہ یہ پھل کھالو۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اس نے بڑا ذرگایا۔ آپ ﷺ نے انکار کیا۔ اب قرآن کہتا ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ یہ تو مان ہی نہیں رہا تو کیا کیا جائے۔ شیطان جانتا تھا کہ یہ اہل محبت ہیں۔ ان کے سامنے ان کے محبوب کا نام لیا جائے لہذا اس نے اللہ کے نام کی قسمیں کھائیں جب حضرت آدم ﷺ نے محبوب کا نام سنा تو آپ سب کچھ بھول گئے۔ اہل محبت کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب محبوب کی بات کانوں میں پڑتی ہے تو آگے پیچھے سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ پھر خیال نہیں رہتا کہ اس کام میں نفع یا نقصان ہوگا۔ بالکل ایسے ہی جیسے زنان مصر نے حضرت یوسف ﷺ کا جلوہ کیا تو آنکھ کو جھپکنا بھول گئیں اور پھری سے ہاتھ کلتے رہے۔ انگلیاں کلتی رہیں اور خون بہتا رہا۔ اور آپ ﷺ کے جلوہ میں مست ہو گئیں:

فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَاهُ وَقَطَعْنَ أَيْدِيهِنَ وَقُلْنَ حَاشَ اللَّهُ مَا هَذَا بَشَرًا طَإِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ۔

(یوسف، ۳۱:۱۲)

”سو جب انہوں نے یوسف ﷺ کے حسن زیبا کو دیکھا تو اس (کے جلوہ جمال) کی بڑائی کرنے

لگیں اور وہ (مدہوشی کے عالم میں پھل کاٹنے کے بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور (دیکھ لینے کے بعد بے ساختہ) بول اٹھیں: اللہ کی پناہ! یہ تو بشر نہیں ہے، یہ تو بس کوئی برگزیدہ فرشتہ (یعنی عالم بالا سے اترا ہوا نور کا پکر) ہے۔ (عرفان القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ جب جلوہ یار سامنے ہو تو کچھ یاد نہیں رہتا۔ محبت والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ محبوب کی بات کان میں پڑ جائے تو کچھ یاد نہیں رہتا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے یہ خلاف ورزی اللہ کے حکم کی نہیں کی تھی، گناہ نہیں کیا۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ خود ان کی طرف سے صفائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ عِهْدَنَا إِلَى أَدَمَ مِنْ قَبْلُ فَسَيَّرَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ (ظہ، ۲۰: ۱۱۵)

”اور درحقیقت ہم نے اس سے (بہت) پہلے آدم (اللئلیۃ) کو تاکیدی حکم فرمایا تھا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں بالکل (نافرمانی کا کوئی) ارادہ نہیں پایا (یہ مخفی ایک بھول تھی)۔“ (عرفان القرآن)

اللہ پاک فرمرا ہے کہ ہم نے ہرگز حضرت آدم (اللئلیۃ) کے دل میں اپنے حکم کی نافرمانی کا کوئی ارادہ نہیں پایا۔ حضرت آدم (اللئلیۃ) کی صفائی خود اللہ تعالیٰ دے رہا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے خود صفائی دے دی تو پھر گناہ کیسا؟ اللہ پاک نے ان کی گواہی دے کر انہیں بے گناہ قرار دے دیا مگر ساتھ ہی دوسری جگہ اس طرف اشارہ کیا تاکہ حضرت آدم (اللئلیۃ) کے دل میں احساس و ندامت پیدا ہو۔ اور یہ خیال پیدا ہو کہ مجھ سے خطا ہو گئی۔ کہیں میرا مولا مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ یہ خیال اللہ نے، اس احساس ندامت کو پیدا کرنے کے لئے کروایا۔ اور ساتھ فرمایا: اے آدم (اللئلیۃ) تم دونوں اب زمین پر اتر جاؤ۔ تاکہ احساس ندامت پختہ ہو جائے۔ زمین پر اترے اور رونے لگے۔ روئے رہے۔ اس وقت تک رولا یا جب تک کہ وہ مقام نہ آگیا کہ جب خلافت کا تاج سر پر پہنانے کا وقت آگیا۔ اگر غلطی ہوئی ہوتی اور گناہ ہوا ہوتا تو کیا اس پر معافی ہوتی اور پچھلے درجے پر بحال کر دیا جاتا ہے۔ نہیں بلکہ یہاں ہم کیا دیکھتے ہیں۔ جب بھول ہوئی اور زمین پر اتارا تو فقط آدم (اللئلیۃ) تھے اور جب معاف کیا تو زمین پر خدا کے خلیفہ بن چکے تھے۔ چونکہ اللہ کا فیصلہ پہلے دن سے تھا۔ مگر اس فیصلے کا اجراء کب ہوتا ہے یہ اللہ کے علم میں تھا۔ یقیناً انبیاء (اللئلیۃ) گنہگار نہیں ہوتے بلکہ معصوم ہوتے ہیں۔ پیدائش ہی سے معصوم ہوتے ہیں۔ مگر ان کی شان کے لائق ان کے دل میں یہ خیال طاری کیا جاتا ہے تاکہ وہ نادم ہوں اور اللہ کی بارگاہ میں روئیں اور یہی روئیا انہیں مزید بلندی کے مقام پر

فائز کر دیتا ہے۔

حضرت یعقوب ﷺ سے ان کے بیٹوں نے جب اجازت چاہی کہ ابا جان ہمارے بھائی یوسف ﷺ کو ہمارے ساتھ شکار اور سیر و تفریح کے لئے بھیج دیں۔ آپ علیہ السلام نے پہلے تو انکار کیا بعد ازاں ان کے اسرار پر اپنے بیٹوں کو اجازت دیتے وقت ارشاد فرمایا:

قَالَ إِنَّنِي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَدْهِبُوا إِلَيْهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَ الدِّبْرُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَفِلُونَ۔ (یوسف، ۱۲:۱۳)

”انہوں نے کہا: بے شک مجھے یہ خیال مغموم کرتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں (اس خیال سے بھی) خوفزدہ ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس (کی حفاظت) سے غافل رہو۔“ (عرفان القرآن)

یہ تو علم نبوت کی بات ہے کہ جو جھوٹا واقعہ بعد میں انہوں نے پیش کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے ہی اس کی نشاندہی کر دی۔ مگر راز درانہ بات۔ اس روایت کے مطابق یہ ہے کہ عرفاء فرماتے ہیں جب انہوں نے یہ کہا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا: پیار بھری گرفت کی اور فرمایا: اے یعقوب ﷺ! تمہارا دھیان ان کی غفلت کی طرف گیا کہ کہیں میرے بیٹے غفلت نہ کریں اور یوسف ﷺ کو بھیڑیا نہ کھا جائے جبکہ شان محبوبیت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی غفلت تکنے کی بجائے تیرا دھیان میری حفاظت کی طرف جاتا۔ یہ جو ایک جملہ حضرت یعقوب ﷺ کی زبان سے نکلوایا۔ اس جملے کا نتیجہ تھا کہ حضرت یوسف ﷺ کو حضرت یعقوب ﷺ سے جدا کر دیا۔ اور ان کی جوانی تک یہ جدائی چلتی رہی اور پھر کیا ہوا جس طرح آدم اور حوا ﷺ روتے رہے۔ اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو بیٹے کی جدائی پر رلا یا۔ اُسی بیٹے کی قمیض سے پھر بینائی لوٹا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس صبر پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بھی درجے بلند کر دیئے۔

یہی ماجرا حضرت یوسف ﷺ کے ساتھ پیش آیا، جب حضرت یوسف ﷺ جیل میں چلے گئے اور آپ کو معلوم ہے کہ جیل میں بے گناہ گئے تھے۔ تھوڑا عرصہ گزر تھا کہ جیل سے دو قیدیوں کی رہائی ہونے لگی۔ قرآن مجید میں ہے جب رہائی کا وقت آیا تو حضرت یوسف ﷺ جانتے تھے کہ میں بے گناہ ہوں اور مجھے ناقص جیل میں ڈالا گیا اگر اس پر سزا ہو رہی ہو تو حق ہے کہ بادشاہ وقت تک اس بات کو پہنچایا جائے۔ تاکہ وہ ناقص ظلم سے باز آئے۔ حضرت یوسف ﷺ نے جب دیکھا کہ وہ رہائی پار ہے پس تو جاتے ہوئے ان سے کہا:

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٌ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَإِنْسَهُ الشَّيْطَنُ ذُكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضُّعْ سِنِينَ۔ (یوسف، ۱۲:۴۲)

”اور یوسف (اللَّٰہُ) نے اس شخص سے کہا: جسے ان دونوں میں سے رہائی پانے والا سمجھا کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا (شاید اسے یاد آ جائے کہ ایک اور بے گناہ بھی قید میں ہے) مگر شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس (وہ) ذکر کرنا بھلا دیا نتیجتاً یوسف (اللَّٰہُ) کئی سال تک قید خانہ میں ٹھہرے رہے۔“
”اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا“۔ یہ ایک پُر حکمت بھول تھی۔ اپنے محبوب اور برگزیدہ بندے کی زبان سے یہ کلمہ کھلوایا۔ یہ اس کے مقرب بندے کی شان ہے جو اس کے بندوں کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے طاری کی جاتی ہے۔

جیسے ایک روز آقا نے دو جہاں ﷺ نے نمازِ عصر پڑھائی۔ درکعت پڑھ کے ہی سلام پھیر دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا، آقا کیا نماز چھوٹی کر دی گئی یا حضور ﷺ سے بھول ہو گئی۔ آقا ﷺ نے جواب میں فرمایا: نماز چھوٹی کی گئی نہ میں بھولا بلکہ فرمایا:

”میں بھولا نہیں بلکہ بھولا یا گیا ہوں“۔ تاکہ بھول پر ایسا کرنا تمہارے لئے سنت بن جائے اور تمھیں مسئلہ معلوم ہو جائے کہ کوئی نماز بھول جائے تو کیا کرنا ہے۔

لہذا بھول انبیاء پر طاری کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء ﷺ کی شان یہ ہے کہ بھول ان کی طرف منسوب نہیں کی جاتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کسی حکمت، کسی راز، کسی مصلحت، کسی اپنے منصوبے کے پیشِ نظر، پُر حکمت اور پُر مصلحت اور پُر راز بھول طاری کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں پیار بھری گرفت کرتا ہے تاکہ ندامت طاری ہو اور میرے محبوب کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اسے بلند درجے پر فائز کر دیں۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کی بات جائز تھی مگر فرمایا: میرے یوسف یہ تیرے لئے مناسب نہ تھا کہ تو بادشاہ کو پیغام دیتا کہ میرا ذکر بادشاہ کے سامنے کر دینا۔ تیرا دھیان اس کی طرف کیوں گیا۔ تیرا دھیان تو میری طرف رہنا چاہئے تھا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ وہ شخص جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جا کر بادشاہ کو یاد کروائے گا اُسے شیطان نے بھلا دیا اور وہ بادشاہ کے سامنے ذکر تک نہ کر سکا اور عتاب یہ ہوا کہ مزید آٹھو سال تک حضرت یوسف ﷺ جیل میں رہے۔

اللہ تعالیٰ نے صبر کے مرحلے سے گزار جب وہ اس میں کامیاب ہوئے تو جیل جانے سے پہلے یوسف علیہ السلام زر خرید غلام تھے اور جب جیل سے نکلا تو مصر کا سلطان بنا کر نکلا۔ درجے اتنے بلند کئے کہ مصر کا بادشاہ بنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

(جاری ہے)

دروس سلوک و تصوف

صاحبزادہ مسکین فیض الرحمن درانی
مرکزی امیر تحریک منہاج القرآن ائمہ نیشنل

ماحول، خانقاہ اور خانقاہی نظام

ماحول (environment): انسانی فطرة بالقوه (مزین بے اقرار الوجہت و روپیت الہی، امتیاز خبر و شر، بصیرت نفس، احساس امانت) بفطرة بالفعل (شہوانی اور نفسانی خواہشات، اولاد، اقرباء، مال و زر اور جاہ و منصب کی محبت وغیرہ کے لیے جدو جہد پر ابھارنے والی فطرت)، لاشعور (unconscious) اور شعور (conscious) کے احساسات اور داعیات کو بلاشبہ متاثر کرنے کی زبردست قوت رکھتا ہے۔ اگر ماحول، فطرة بالقوه، لاشعور یا ضمیر (conscience) کے لوازمات اور تقاضوں کی تعییل اور تکمیل کے لیے سازگار اور مناسب (conducive) مل جائے، تو فطرة بالقوه کے جملہ داعیات (motives) مزید ابھرتے اور ترقی کرتے ہیں اور اگر ماحول پر فطرة بالفعل کے تقاضوں، بے ضمیری یا بے حسی کی وضنده چاہجائے تو انسان اس کے زیر اثر خواہشات، لائق اور حرص و ہوا کی پیٹ میں آ جاتا ہے۔

ایام حج میں ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں فرزندان توحید ایک جیسی عبادات؛ فرائض، سنن اور نوافل ادا کر رہے ہوتے ہیں، سب کا ایک ہی طرح سفر، حضر، لباس، قیام، طعام، اعمال اور اشغال ہوتے ہیں۔ مناجات، ذکر اذکار، رہن سہن اور بودوباش بھی ایک جیسی ہوتی ہے، حاجج کرام کا مجموعی طرز عمل، حسن اخلاق آپس کا سلوک، بتاؤ، ایثار و محبت، باہمی اخوت و مروت کے جذبات بھی سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک خاص روحانی ماحول کی تاثیر ہوتی ہے جو حاجج کو ایک جیسا رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ حاجی چاہے کسی رنگ، نسل، زبان، قوم قبیلہ سے ہو، حج کے ماحول کے زیر اثر ذمام اور رذائل سے پر ہیز کرتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، حسد، انقمام، لڑائی جھگڑا، شروع فساد، قتل و غارتگری اور اسی نوع کے سینکڑوں افعال قبیحہ سے اجتناب کرتا ہے، دوسراے حاجج کی طرح اس کے وظائف اعمال بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جو باقی سب کے ہوتے ہیں۔ خداخواستہ حاجج میں سے کوئی شخص

اگر اس پاکیزہ اور روحانی ماحول میں کسی قسم کے افعال شیعہ میں بنتا ہو جائے تو ماحول سے متفاہ اعمال کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے الگ دکھائی دیتا ہے۔ دیگر جاج کے لیے بھی اس کی اس قسم کی غیر متوقع حرکات و سکنات نالپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ اُس کے ساتھی اس کو ان حرکات سے باز رکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور اگر وہ باز نہ آئے تو احتجاجاً سب اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح وہ شخص خود بخود اس ماحول میں الگ تھلگ اور جنی (alien) ہو جاتا ہے۔ اپنے لوگوں سے یہ دوری اس کے لیے سوہاں روح بن جاتی ہے وہ شرمندہ ہوتا ہے، تو بہ واستغفار اور اللہ کے سامنے عاجزی اور انکساری کرتا ہے اور اس پاکیزہ اور روحانی ماحول کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو اصلاح کی توفیق عنایت کرتا ہے اس طرح اس کو اعمال قبیحہ سے پچھکارا مل جاتا ہے۔ لیکن خدا نخواستہ اگر وہ ان رذائل سے روگرانی نہ کرے اور سنبھیگی سے ان اعمال سے دامن چھڑانے کی کوشش نہ کرے تو اللہ بھی اس کو اعمال بد کی وجہ سے اس پاکیزہ ماحول کے ثمرات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا نہیں کرتا اور وہ راندہ درگاہ ہو جاتا ہے۔

اب تصویر کا دوسرا رخ یعنی اس ماحول کے برعکس ایک دسرے ماحول کی تاثیر ملاحظہ کیجئے۔ گندگی اور ناپاکی میں لمحڑا ایک ایسا ماحول جس میں شراب نوشی، منشیات کا استعمال، اختلاط مردو زن، جنسی مشاغل، فاشی، بے حیائی عام ہو رہی ہے۔ جیسے آج کل کے ہوٹل، کلب، جمنانوں سینماوں، تھیٹروں، بدکاری کے اڈوں اور رقص و سرود کی محافل میں فاشی اور بدکاری کے سارے کام کھلے عام ہوتے ہیں۔ ہر شخص وہاں ایک خاص مقصد سے آتا ہے اور اپنے شغل میں مصروف ہو جاتا ہے، دولت لٹائی جاتی ہے۔ عصمتیں لٹی جاتی ہیں۔ طرب و نشاط کی محفیلیں پاپا ہیں۔ ہر طرف بد اخلاقی، بے راہ روی، جنسی زراج اور کردار کی موت کا راج ہے۔ اس ماحول میں بے حیائی اور فاشی کو برانبیں سمجھا جاتا بلکہ بظیر تحسین دیکھا جاتا ہے۔ یہاں اخلاق باختہ اور پیشہ ور عورتوں کو ”معزز خواتین اور ہیر و نئیں یعنی بہادر عورتوں“ کا درجہ حاصل ہے۔ قوم کی معصوم بیٹیوں کو بھی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ بے حیائی اور رفتعت اور اخلاق باختگی کو عزت کا پیمانہ سمجھ کر اس راہ کو اختیار کریں۔ یہ ذریعہ معاش کا سب سے معزز کام ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں یہاں ہونے والے پروگراموں میں ایک دوسرے کو کھلم کھلا گلے لگاتے ہیں۔ بوس و کنارہ ہوتا ہے۔ دنیا اس کو اعلیٰ انسانی اقدار اور اظہار آزادی کا بہترین ماحول کہتی ہے۔ نوجوان بچے بچیاں منشیات کا استعمال کیفے کلبوں کے علاوہ کالج یونیورسٹیوں میں اساتذہ کے سامنے کھلے عام کرتے ہیں۔ کوئی ان کاموں کو برا نہیں کہتا۔ بے حیائی اور فاشی قریب گھر گھر ہو رہی ہے۔ اس ماحول کے سب لوگ ایک ہی طرح کے کام میں مصروف ہیں۔ یہ سب کا عام معمول ہے جو ہر سو اپنا اثر دکھارہا ہے۔ فطرۃ بال فعل؛ شہوانی، نفسانی خواہشات، مال و

دولت اور جاہ و منصب کے حصول کی بھوک کو تیز کرتی ہے، بے حسی اور بے ضمیری کی فضای عام ہوتا کوئی شخص دوسرے کوئی قسم کی بد اخلاقی اور بد فعلی پر روتا ٹوکتا نہیں کیونکہ اس حمام میں سب نگے ہیں۔ سب کا ماحول ایک جیسا ہے۔ آج کل کے کلبوں اور ہوٹلوں کے سوئنگ پولوں اور ساحل سمندر پر مرد عورتوں کا اکٹھا نگاہنا عام ہے اور اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا کیونکہ یہ کام سب مل کر کرتے ہیں۔ ایک مخصوص ماحول میں مشترک طور پر کئے جانے والے اعمال یا تو فطرة بالقوه، لاشعور اور ضمیر کے تقاضوں کو پروان چڑھانے میں مدد و معاون ہوں گے اور یا وہ فطرة بالفعل اور شعوری تقاضوں کے تحت انسانی خواہشات اور شہوات کو مہیز کریں گے۔ جیسا دیس ویسا بھیس ہوتا ہے۔

ہر شخص کی زندگی میں کچھ لمحات ایسے ضرور آتے ہیں جب وہ دنیاوی بکھیروں سے نالاں ہو کر کسی ایسے گوشہ تہائی کی تلاش کرتا ہے جہاں وہ نفسانی خواہشات، شہوات، دنیا کے مال و متاع، جاہ و منصب کی طلب، حرص و ہوا اور ہوس سے کنارہ کش ہو کر کچھ لمحے من کی دنیا میں امن، آشتی، سکون اور اطمینان کے گذار سکے۔ یہ حقیقت کی تلاش کا سفر ہوتا ہے جو ہر انسان کی فطرة بالقوه (potential nature) کا تقاضا ہوتا ہے۔ فطرت کا یہ اثر کتنا دائیٰ، نیم دائیٰ یا عارضی ہوتا ہے اس کا انحراف اس کے لاشعور (Unconscious) کی پچھلی پر ہوتا ہے۔ جتنی دیر وہ فطرت بالقوه اور ضمیر کے زیر اثر رہتا ہے وہ امن، سکون اور آشتی کے ماحول میں ہوتا ہے۔ لیکن جیسے ہی اس کا شعور (conscious) یا اس کی فطرة بالفعل (actual nature) کے تقاضے، لوازمات اور داعیات اس کے قلب و ذہن پر اثر انداز ہونے لگتے ہیں۔ وہ دنیا کے انہی جھمیلوں میں دوبارہ لوٹ جاتا ہے۔ شعور، قبل شعور اور لاشعور کا گورکھ دھنہ کیا ہے، انسان کی زندگی پر یہ کیسے اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کے اثرات انسانی رویوں، برتاو اور سلوک پر کیا ہوتے ہیں؟ ان شاء اللہ کسی مناسب موقع پر ہم اس موضوع پر اپنے دروس میں گفتگو کریں گے کہ سالکین اور صوفیاء کے لیے ان سے باخبر ہونا ضروری ہوتا ہے۔

مرید یا مبتدی سالک پر جب لاشعور کی یہ کیفیات وارد ہوتی ہیں تو وہ روحانی سکون اور اطمینان قلب کی تلاش کے لیے ماڈی دنیا سے ہجرت کر کے روحانی دنیا میں جانے کا ارادہ کرتا ہے اور کسی سلسلہ طریقت سے منسلک ہوتا ہے۔ پچھلے درس میں یہ استفسار سامنے آیا کہ دروس سلوک و تصوف میں اکثر خانقاہ اور خانقاہی نظام جیسے الفاظ سننے میں آتے ہیں ہمیں بتایا جائے کہ خانقاہ کے کہتے ہیں، یہ کہاں ہوتی ہے۔ کیا یہ کوئی خاص جگہ ہوتی ہے یا ایک ایسی دنیا ہوتی ہے جس کا نظام ہماری دنیا سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ خانقاہ میں کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ کیا کرتے ہیں، کیسی زندگی گزارتے ہیں۔ کیا وہ لوگ دنیا کے عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں وہ روزی کیسے کہاتے ہیں اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کیسے پالتے ہیں، کیا وہ ہر وقت ذکر و فکر میں ہی مصروف رہتے ہیں اور دنیا کے معمولات اور

مصروفیات سے بالکل الگ تھلک ہوتے ہیں۔ خانقاہی نظام کیا ہوتا ہے۔ اس نظام کو چلانے والا کون ہوتا ہے اس کی ذمہ داریاں اور فرائض کیا ہوتے ہیں۔ معاشرے کی پروان اور تہذیب و تمدن میں خانقاہ اور اس سے وابستہ افراد کا کیا کردار ہوتا ہے، دنیا میں اس کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے؟ یہ ایک اچھا سوال تھا۔ لہذا ضروری ہے کہ خانقاہ میں مرید کی تعلیم و تربیت کے مختلف مراحل بیان کرنے سے پہلے ہم ان سوالات کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیں۔

مرید، مبتدی سماں کیا صوفی اس دنیا میں رہنے والے دوسرے انسانوں کی طرح کا ایک انسان ہوتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے اس کی بنیادی ضروریات، گزر اوقات کے طور طریقے، رسم و رواج اور روزمرہ کے معمولات معاشرے میں رہنے والے دوسرے افراد ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے انبیاء کرام، رسول، پیغمبر، صحابہ کرام، اولیاءُ اور صالحین معاشرے کے دیگر لوگوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارا کرتے تھے۔ معمول کے مطابق کاروبار زندگی کرتے اور ایکدوسرے کی غمی خوشی میں شریک ہوتے تھے۔ ان نفوس قدسیہ میں کوئی بھی اپنے آپ کو دوسرے انسانوں سے الگ نہیں سمجھتا تھا۔ نہ کوئی اپنے آپ کو ما فوق البشر سمجھتا اور نہ ہی دوسروں پر اپنی بزرگی اور پارسائی جانتا تھا، یہ انسانوں کے ساتھ انسانوں کی طرح رہتے تھے۔ البتہ عام لوگوں کی نسبت ان کی زندگی پاکیزہ اور فطرت کے زیادہ قریب ہوتی تھی۔ خود نیک، متقد، پارسا اور پرہیز گار تھے اور دوسروں کو اللہ پر ایمان لانے اور اس کی رضا کے مطابق صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ہر ایک کی زبان پر یہ ہی الفاظ ہوتے کہ وہ اللہ کی مخلوق اور عاجز نہ ہے ہیں۔ وہ اللہ کی توحید کا درس دیتے اور لوگوں کو بتاتے تھے کہ اللہ سب مخلوقات کا خالق، رازق اور پالنے والا ہے، وہ ہی مالک، مختار، مسجد و اور معبد ہے۔ انسان کو صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔ مخلوق کے سامنے مسجدہ ریز ہونے اور ان سے حاجتوں کو پورا کرنے کی طلب اور خواہش سے گریز کرنا چاہیے۔ انسان کو دنیا میں دوسرے انسانوں کی طرح فطرت کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے اور کسی انسان اور مخلوق کو ما فوق الغطرت یا ما فوق البشر نہیں مانا چاہیے۔

عقائد کے لحاظ سے دنیا میں لوگ مختلف دائروں کے اندر زندگی بس رکرتے ہیں۔ ایک دائڑہ میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اپنا معبود، مسجدوں، خالق اور مالک مانتے ہیں، یہ لوگ اللہ کی جماعت کے لوگ ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کو ”حزب اللہ“ کہا گیا ہے۔ دوسرے دائڑہ کے لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک نہیں مانتے، اس کی ہستی کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ منکر و ملحد ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کو ”حزب الشیطین“ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ حزب اللہ یعنی اللہ کو ماننے والوں کے اندر بھی مختلف عقائد کے لوگ ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو انبیاء اور رسولوں کو بھی اللہ کی خدائی میں شریک کرتے ہیں، یہ لوگ انبیاء، رسول اور پیغمبروں پر انتاری جانے والی کتابوں اور صحائف سے اپنی مرضی کے معنی نکالنے کی غرض سے

تحریف کرتے ہیں۔ بعض اقوام اللہ اور صرف اپنی قوم کے رسولوں کو مانتے اور دیگر رسولوں اور خاص کرنی آخر الزمان پر ایمان نہیں رکھتے، دنیا میں ایسے مذاہب کے پیدا کر بھی ہیں جو ایک خدائے مطلق کی بجائے خلوقات الہی میں سے لاکھوں کروڑوں اشیاء اور جانداروں کو خدا مانتے اور پوچھتے ہیں۔ ایسے مذاہب بھی ہیں جو اللہ کی بجائے اپنے قبیلے کے کسی نیک شخص کو خدا کا مقام دیتے ہیں اور اس کے آگے سرٹیکٹے ہیں، علی ہذا القیاس دنیا میں ایسے بہت سارے لوگ ہیں جو اللہ کی ہستی کے منکر اور انبیاء، رسول، پیغمبر، اور ان پر نازل کردہ حقیقتی کتب الہی، اللہ کے ملائکہ، یوم آخرت اور نبی مکرم مختشم پر نیک شخص کو آخری نبی مانتے والے اور آپ پر نیک شخص کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی اور رسول نہ مانے والے ہی حقیقی مونمن اور مسلمان ہوتے ہیں، مونمن اور مسلمان کافر نہیں ہوتے البتہ ان کے بعض فرقے اور گروہ عقائد بد کی وجہ سے گمراہ گار ہوتے ہیں۔

مسلمانوں میں ایسے افراد بھی ہیں جو ارکان اسلام ادا کرنے میں غفلت بر تھے اور احکام الہی پر پوری طرح عمل نہیں کرتے۔ گذشتہ دروس میں ہم ان کے مختلف اقسام اور انواع پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں، بہر حال مسلمانوں میں وہ لوگ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں اور سنت نبی پر نیک شخص پر پوری طرح کار بند رہ کر احکامِ الہی بجا لانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ وہ اپنے لیے اکثر ایسے ماحول (environment) کی بحاش میں رہتے ہیں۔ جہاں ان جیسے فکر و خیال کے حامل دوسرے افراد بھی ہوں جو مل کر اپنے مقصد تحقیق یعنی اللہ کی مرضی و فتحاء کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے اور اس کی بندگی کا فریضہ ادا کرتے ہوں۔ سب ایک ہی عقیدہ، عمل اور کردار کے حامل ہوں اور ایک ایسے روحانی معاشرہ کی تشکیل میں ایک دوسرے کی معاونت کریں کہ جس کی بنیاد تکریم آدمیت اور احترام انسانیت پر قائم ہو جس میں نسل، زبان، رنگ، قبیلہ اور مذہب کی گروہی عصیت کی بجائے آپس کے تعلقات کی بنیاد دین اسلام ہو، جس کے افراد تحسین علاقۃ الانسان بالله اور تحسین علاقۃ الانسان بالانسان کے آفاقی اصول پر عمل پیرا ہوں۔

عہد رسالت نبی اور دور خلافت راشدہ میں تو پورے عالم اسلام میں عدل اجتماعی اور بجائے اصلاح کا ایسا روحانی ماحدوں ہر مسلمان کو میسر تھا، ہر شخص پورے صدق و اخلاص سے ایک جیسی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا کر کی عبادت میں مگن تھا۔ محبتِ الہی، محبت رسول نبی پر نیک شخص، مکارِ اخلاق اور خدمتِ خلق کو عبادت میں بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ مسلمان بحیثیت انسان دوسرے انسانوں کی مدد کرتے تھے۔ ایک ہی قوم ہاشمی تھی جس میں نہ کوئی فرقہ تھا نہ مسلک، عقیدہ کی بناء پر الگ الگ گروہ تھے اور نہ ہی سیاسی پارٹیاں اور جماعتیں تھیں، پوری قوم اللہ کی پارٹی اور حزب اللہ تھی، جس کے اعلیٰ اخلاق، سلوک، برتاو، تہذیب و تمدن کی پاکیزگی اور تصوف کو دیکھ کر حزب الشیطان سے لوگ ناطہ توڑ کر دین میں بین کی آغوش میں پناہ لیتے تھے۔ حزب الشیطان؛ ہر زمانہ میں رہا اور

رہے گا۔ شیطان نے رب العزت جل شانہ سے انسان کے اندر عزم و ارادہ کی بے ثباتی، اس میں استقامت اور عزم و حوصلہ کے نقدان کو ثابت کرنے اور اس کو گمراہ کرنے کے لئے مہلت طلب کی تھی جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے عطا کر دی تاکہ شیطان پر ثابت ہو جائے کہ اس کے مخلص اور اس پر مضبوط ایمان رکھنے والے بندے اس کے فریب و تسلیم میں نہیں آئیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے یہ سلسلہ چلا، ابليس نسل انسانی کو طرح طرح کے حیلے بہانوں سے ورغلاتا رہا، ابليسی کارکن بھرتی اور شیطانی پارٹیاں بناتا رہا۔ انجیاء، رسول اور پیغمبر بھی ہر دور میں آتے رہے، انسان کو شیطان سے بچانے اور اللہ کے ساتھ پیوستہ رہنے کی پیغمبرانہ ہدایت بھی میسر آتی رہی، آسمانی کتابوں اور صحائف کا نزول بھی ہوتا رہا۔ صدق و اخلاص اور نیک نیتی سے اللہ پر ایمان لانے والے پوری استقامت سے اللہ کی پارٹی یعنی حزب اللہ سے بُجھے رہے۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ فطرت سے قریب رہنے والے لوگ حزب اللہ کے ساتھ پیوست رہیں گے اور فطرت کے بر عکس زندگی گزارنے کو ترجیح دینے والے افراد شیطان کی پارٹی کے ساتھ بُجھے رہیں گے۔ لیکن دونوں پارٹیوں کے افراد میں جو فرقہ ہے وہ بھی تا قیامت رہے گا۔ حزب اللہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کے مطابق خوف و غم اور جہالت سے محفوظ ہوتا ہے اور حزب اشیطین ساری عمر خوف و غم اور جہالت میں بنتا رہتا ہے۔ عہد رسالتِ نبوی اور عہد خلفاءؑ راشدین عالم انسانیت کا دور زریں تھا لیکن جیسے ہی مسلمانوں کے مابین سیاسی نفاق نے جڑ پکڑنی شروع کی اور انتشار پیدا ہوا تو خلافت را شدہ ملوکیت اور آمریت میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور فرقہ بازی سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور اس کی رحمت روٹھ جاتی ہے۔ بہت سارے ملوک، امراء، بادشاہوں، سلطانوں اور ان کے زیر اثر علمائے سُوءے نے دین اسلام کی تعلیمات کو توڑ کر عقائد میں بگاڑ پیدا کرنا شروع کیا۔ عقائد بدلنے لگے تو مختلف فرقے وجود میں آنے لگے۔ تفرقہ بازی کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ تفرقہ اور اختلافات عقیدہ کی وجہ سے تعلیمات اسلامی میں بنیادی حیثیت کے حامل اعمال، محبت الہی، محبت رسول ﷺ، مکار م اخلاق اور خدمتِ خلق کے جذبوں کو شدید نقصان پہنچا۔ مسلمانوں کے طور طریقے تبدیل ہونے لگے۔ علمی، تعلیمی، سیاسی، معاشرتی، غرضیکہ مسلمانوں کی زندگی کی ہر سطح فتنہ بازی کی لپیٹ میں آگئی۔ اسلام کا ابتدائی دور صدق و اخلاص اور ارشاد کا دور تھا۔ نبی مختار ﷺ کی نبوت اور رسالت پر صحابہ کرامؐ کا کامل ایمان تھا۔ مسلمانوں کا سب سے اہم علمی مشغله، قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو توجہ سے سننا، سمجھنا، اس پر یقین اور عمل کرنا اور دوسروں کو اس کا ابلاغ تھا۔ احکام الہی اور فرمودات نبی ﷺ پر دل و جان سے عمل کرنا ہی صحابہ کرامؐ کا ایمان تھا۔ نبی کرم ﷺ نے فرمایا۔ ”**خیر القرؤن قرنی ثم الذين يلو نهم ثم الذين يلو نهم**“ (سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد وہ زمانہ جو اس سے متصل ہے پھر وہ جو اس کے بعد آئے گا) اللہ سبحانہ و تعالیٰ بھی اپنے محبوب ﷺ کے صحابہ کرامؐ اور اہلیتؐ کی تعریف قرآن کی سورۃ توبہ کی

آیت نمبر ۱۰۰ میں ان الفاظ سے فرماتا ہے:- ”وَ السَّبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ وَالذِّينَ أَتَبْعَوْهُمْ بِإِحْسَانٍ لَا رَضْيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“

(اور مهاجرین اور انصار میں سب سے پہلے سبقت لے جانے والے) (صحابہ کرامؓ و اہلبیت اطہارؓ جو سب سے پہلے دین کی حمایت میں کھڑے ہوئے، بھرت کی یا حضور ﷺ کا اور مسلمانوں کا خیر مقدم کیا اور جو ان (سبقت لے جانے والوں) کے نقش قدم پر اچھی طرح چلے، (جو ان کے سانچے میں ڈھلنے) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)

ان بہترین ادوار میں علم قرات، علم حدیث اور خاص کر علم اسماء الرجال (یعنی حدیث کے راویوں کے احوال جاننے کا علم) اور علم فتنہ کے جاننے، سمجھنے اور احکام کی اصل روح تک رسائی کے اشغال ہی کو تعلیماتِ اسلامی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب دنیا کے دیگر اقوام ملک اور ممالک محرومہ تک اسلام کی حقانیت کا پیغام پہنچنا شروع ہوا، اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور دوسرے ادیان و مذاہب کے لوگ دین اسلام قبول کرنے لگکر تو ان میں یہودی، مجوہی، عیسائی، دہریے، افلاطونی، نو افلاطونی فلسفہ کو ماننے والے، ہندو مت اور بدھ مت سے تعلق رکھنے والے افراد بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے اگرچہ ساری عمر ایک خاص ماحول میں گزاری تھی۔ ان کی تعلیم و تربیت اور عقائد دین اسلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھے لیکن دین اسلام کی حقانیت نے ان پر اثر دکھایا اور وہ حلقة بگوشِ اسلام ہو گئے، اسلامی طرز زندگی اختیار کی اور وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے رہے۔ شومن قدمت سے خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب نو مسلموں میں وہ لوگ بھی شامل ہو گئے کہ جن کے اذہان میں اپنے پچھلے عقائد کی جڑیں بہت زیادہ گھری تھیں یا ان میں بعض سیاسی اور اسی نوع کے دیگر مفادات کے حصول کے لیے مسلمان ہوئے، کچھ خطرناک تخریب کار، مفسد اور دہشت گرد بھی تھے جو مسلمانوں کے درمیان فساد ڈالنے کے لئے اپنی حکومتوں اور مذہبی قائدین کی جانب سے مامور تھے، وہ بظاہر ایمان لاتے لیکن اپنا کام دکھانے کے بعد غائب ہو جاتے تھے، بہر حال ان عناصر کی ریشہ دوائیوں سے دین اسلام کی سادہ فطرتی تعلیمات اور عقائد بھی متأثر ہونے لگے۔ صحابہ کرامؓ تو متعلمين رسول اللہ تھے ان کا زمانہ صاف سترہ شفاف اور سادہ تھا، وہ نبی مکرم ﷺ کی صحبت اور معیت سے براہ راست فیضیاب تھے۔ ان کا ایمان کامل اور عقیدہ مضبوط تھا لہذا مفسدین کے ہتھکنڈے اور بحث و تجھیس سے وہ تو کبھی متأثر نہ ہوئے اور تبلیغ حق کا فریضہ بخوبی سرانجام دینے رہے، خود معلمین کے مرتبہ پر فائز تھے، فضول بحث و مباحثہ اور یا وہ گوئی ان کا شعار تھا۔ لہذا مضبوطی سے اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔ لیکن وہ سادہ لوح اور دین کا کم علم رکھنے والے افراد اسلامی معاشرے کے اندر داخل ہونے والے مفسدین اور منافقین کے بحث و مباحثہ اور چب زبانی کے چکر میں آ کر متأثر ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کے بھیس میں شامل ہونے والے تخریب کاروں کا سب سے موثر ہتھیار سادہ مسلمانوں کو یونانی فلسفہ اور منطق کے بکھیروں

میں الجھانے کا تھا لہذا جہاں اور جب بھی ان کو موقع ملتا وہ سادہ لوح اور کم علم مسلمانوں کے ساتھ مختلف دینی مسائل پر بحث و تجھیص اور مناظرہ شروع کر دیتے۔ چونکہ عام مسلمان تو قرآن و حدیث اور فقہ کے علوم سے کماقہ، واقف نہ تھے لہذا اکثر ان کی منطق سے ابہام و تناکیک میں بنتا ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ مفسدین ان عام غیر مسلموں جیسے نہ تھے کہ جنہوں نے دین مبین کی تعلیمات اور مسلمانوں کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا بلکہ یہ مذاہب باطلہ کے بہت خاص ایجٹ ہوتے تھے، جن میں زیادہ تر تعداد ان متعصب علماء اور راہبوں کی تھی جن کے لیے دین اسلام کے تفوق اور کامیابی کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ مسلمانوں میں فرقہ بازی کی ٹوڑائی کا مشن لے کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان کی کاوشوں کے نتیجے میں دین اسلام میں سینکڑوں فرقے پیدا ہوئے جن کی وجہ سے اسلام کی وحدت ملی کو شدید نقصان پہنچا، طوالت کی وجہ سے اس وقت ہم مختلف فرقوں سے دین اسلام کو پہنچنے والے شدید نقصانات کا تفصیلی ذکر کرنے سے قادر ہیں۔ ان شاء اللہ مناسب موقع پر دروس سلوک و تصوف کے قارئین کو ہم ان فرقوں کی پیچان کرانے کی کوشش کریں گے تاکہ آج کے سادہ مسلمان اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ افراد موجودہ دور کے مفسدین کے پچھائے دام ہمارگز زمین سے محفوظ رہ سکیں۔ مختصر اتنا عرض ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین کے بعد ملوکیت اور آمریت کے مختلف ادوار اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات کے زوال کا زمانہ تھا۔ ان ادوار میں مادی، علمی اور فنی ترقی تو ہوئی۔ اسلامی ممالک کی سرحدات میں توسعہ بھی خوب ہوئی لیکن عہد رسالت ﷺ کے صحابہ کرامؐ کے دور کے اخلاق جیلیہ، روحانیت، صدق و وفا، اخلاص، للہیت اور اللہ کے محبوب پاک ﷺ کے ساتھ بے حد محبت، مسلمانوں میں اخوت، بھائی چارے، مساوات، بخاوت، شجاعت، عفت، عصمت اور عدالت جو دین اسلام کے بنیادی لوازمات اور مسلمانوں کے مقاصد حیات تھے کا وہ معیار قائم نہ رہ سکا۔ ملوکیت اور آمریت کی مجموعی خرابیوں نے مسلم روحانی معاشرہ کو شدید نقصان پہنچایا۔ ملوک و سلطانین اور امراء کی عادات قبیحہ، مفاد پرستی، حرمس و ہوس، لالچ، اکناف مال، ضمیر فرتو، سیاسی چالبازیاں، فتنہ و فساد، شورشیں، احتکار، رشوت ستانی، اقرباء نوازی اور بے جا سفارش جیسی معاشرتی اور اخلاقی برائیوں نے مسلمان رعایا کو بھی اپنی لپیٹ میں لینا شروع کیا۔ مسلم معاشرہ میں سب سے بڑی ہولناک تباہی شریعت کے اصولوں کے خلاف امراء اور رؤسائے کی عیش پرستی، طرب و نشاط کی مخالف، اختلاط مرد و زن، تھیڑ، ڈراموں، قسمہ کہانیوں اور کھلم کھلانا فاشی کے اذوں کی سر پرستی کی وجہ سے مسلط ہوئی۔ سیاسی مذہبی اور مسلکی اختلافات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ امت مرحومہ پر ہر طرف خوف و غم کے سامنے منڈلانے لگے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار جو مسلم معاشرے کی پیچان تھے۔ تیزی سے رو بے زوال ہونے لگے۔ لیکن بھیثیت مجموعی زوالی ملت کا اصل سبب وہ تفرقہ تھا، جس کا پیچ اسلام دشمنوں نے ملت اسلامیہ میں بڑی مہارت سے بویا۔ ایک خدا کی عبادت کرنے اور ایک دین کے ماننے والے مختلف فرقوں اور مسلموں میں

بٹ کر شجر وحدت کی جڑوں کو خود کاٹنے لگے۔ مسلمانوں کا سیاسی تنزل، معاشری و معاشرتی تنزل، علمی و فنی تزل، ان میں سے کوئی ایک بھی کلیتاً اصل تزل نہ تھا۔ تزل کی اصلی جڑوہ اخلاقی اور روحانی تزل تھا، جو اس اخلاق حسنے کے فقدان سے پیدا ہوا جو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کا خاصہ تھا۔ معلم اخلاق ﷺ کا خلق عظیم اپنانے والے عشاقد نبی، صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین باقی رہے اور نہ ان کے بعد آنے والوں نے ان کی سیرت کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا۔

یہ وہ وقت تھا جب ملت کے افراط و انتشار کی ساعتوں میں کچھ مخلص عاشقان نبی ﷺ میدان عمل میں اترے، یہ نیک سیرت لوگ صوفیاء کھلاتے تھے۔ حکومت، ریاست و سیاست سے لتعلق رہ کر یہ مردان حق لوگوں کو تحقیق اسلام کی طرف دوبارہ متوجہ کرنے لگے۔ معلم اخلاق ﷺ کے اصلی پیروکار یہ نفوس قدیمه فطرۃ بالفعل کی بجائے مسلمانوں کے قلب و ذہن کے اندر پہاں محبت الہی اور محبت رسول ﷺ یعنی فطرۃ بالقوہ کے تقاضوں کو جگانے کی جدوجہد کرنے لگے۔ اتباع سنت کی پیروکاری کرنے والے ان صاحبین نے معاشرہ کے احوال درست کرنے کے لیے سب سے پہلے انفرادی اصلاح احوال کا بیڑا اٹھایا۔ دور زوال کے وقت بھی یہ بزرگ اور مشائخ دین اسلام کے حقیقی، معنوی، جوہری اور روحانی علوم و فنون سے آرستہ تھے، یہ قرآن و سنت، حدیث نبوی ﷺ اور فقہ اسلامی کے ماہرین، محدثین اور مفسرین تھے اور حقیقی معنوں میں معیاری دین اور معمول بہ دین کی حقیقی روح کو سمجھنے والے زماعِ ملت تھے، یہ اپنے طالبعلمیوں اور مریدوں کو علم اور عمل سے اصل دین پڑھاتے سکھاتے تھے۔ حکومتی سیاست سے دُور یہ حضرات قرآنی علم و حکمت کے ذریعے سالکین کا تصفیہ نفس اور تزکیہ باطن کرتے تھے۔ یہ حضرات تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کا فریضہ ہر اس مقام اور جگہ پر ہر وقت ادا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے جہاں ملاشیاں حق ان کے پاس پہنچ جاتے۔ مدارس، مساجد، درگاہیں اور خانقاہیں ان کے روحانی مرکز ہوتے تھے، جہاں ہر سے قال اللہ اور قال الرسول کا ماحول ہوتا تھا۔ جو درسیات طالب علمیوں، مریدوں اور سالکین کو پڑھائے جاتے تھے ان کا عملی مظاہرہ اساتذہ، معلمین اور مرشدین کے کردار میں نظر آتا تھا۔ ان کا قال اور حال ایک جیسا تھا۔ طالب علم اور معلمین یہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھتے تھے۔ اسلامی تعلیمات، سلوک، تصوف اور احسان کے درس و تدریس والے سب مقامات روحانی خانقاہیں ہوتی ہیں۔ مشائخ اور درویش جنگل، پہاڑ کی چوٹی، کھوہ، کسی لق و دق میدان یا صحراء جہاں کہیں بیٹھ جاتے ہیں وہاں قال اللہ اور قال الرسول کی محفل جم جاتی ہے۔ اللہ جل شانہ نے سب انبیاء، رسول اور پیغمبروں کو گوناگون مججزات سے قوت عطا فرمائی لیکن اپنے محبوب کریم ﷺ کو جن خاص امتیازات سے نوازا، وہ کسی دوسرے نبی اور رسولؐ کو دو دیعت نہیں کی گئیں۔

مقام محمد عربی ﷺ منفرد و دیکتا ہے۔ آپ رحمتہ للعالمین ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے لفظوں کی حیات؛ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی، معاشرت، معاشرت، سیاسی، عسکری، معلمانہ اور ازادوایی زندگی بنی نوع کے ہر فرد و بشر کے لیے نمونہ کمال ہے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس جامعیت کبریٰ کی مظہر ہے۔ آپ ﷺ کے بے حد و شمار امتیازات میں

ایک خاص امتیاز تمام رونے زمین کا آپ ﷺ کے لیے سجدہ گاہ ہونا ہے۔

تمام مذاہب عبادت کے لیے چار دیواریوں کے محتاج ہیں۔ ان کے باہر وہ اللہ کو پکارنہیں سکتے اور نہ اس کی عبادت کر سکتے ہیں لیکن جو دین آپ ﷺ لائے اس کی رو سے اللہ چار دیواریوں میں محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہر جگہ ہے۔ بحروں، پہاڑوں اور میدانوں میں آسمانوں کی بلندیوں میں ستاروں اور کہکشاوں کے ہر حصہ میں اس کو یاد کیا جا سکتا ہے، اس کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”تم جدھر منہ پھیرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے“ (فَإِنَّمَا تُولُوا فَيْشَ وَجْهُ اللَّهِ..) ۔ ہر جا کثیر سجدہ یاں آستار رسدا!

معلم کائنات ﷺ کی اتباع میں درویش مردمون جہاں بیٹھ جائے، ذکر الہی شروع ہو جاتا ہے اور فیوضات ذکر جاری ہو جاتے ہیں۔ اولیاء اور درویشوں کے بیٹھنے کی ہر جگہ خانقاہ ہے، ذکر الہی جہاں کیا جائے وہ مسجد بھی ہے، معبد بھی ہے، بارگاہ بھی اور آستانہ ہوتا ہے۔ ہر جگہ خدا ہے ہر جگہ خدا کی ہے اور دنیا کی ہر جگہ اللہ کے بندوں کی عبادت گاہ ہے۔ دل مسکین، قلب ذاکر، خانہ خدا، بیت اللہ سب کے سب مقامات ذکر الہی ہیں۔ خانقاہ، صومعہ اور درویشوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس کو خانقاہ بھی کہا جاتا ہے۔ سر دبراں کے مؤلف نے اس کو شیخ کی قیام گاہ اور عالم تنزیہ کے مفہوم کے تحت بیان کیا ہے۔

ناریاں مرناریاں راجذب اند نوریاں مرنوریاں راطالب اند (مولانا روم)

(اہل آتش، اہل آتش کو اپنی طرف بلا تے ہیں۔ نوری لوگ نوریوں کے طالب ہیں)

گمراہ لوگ گمراہوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ہدایت یافتہ لوگ طالبان حق و ہدایت کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ سیاہ فام لوگ سیاہ فام لوگوں کے رفیق ہوتے ہیں اور رومیوں کا کام رومیوں

کے ساتھ ہوتا ہے۔

کند ہم جنس بہ جنس پرواز کبوتر بے کبوتر، باز بہ باز

(تمام پرندے اپنے ہم جنس پرندوں کے ساتھ محو پرواز ہوتے ہیں۔ کبوتر کبوتروں کی ڈار میں اور باز بازوں کے ساتھ اڑتا ہے)

مسجدے کو اندر وون اولیا است سجدہ گاہ جملہ است، آن جا خدا است

(وہ مسجد جو اولیاء کے باطن میں ہے وہ جملہ مخلوق کی سجدہ گاہ ہے اسی میں خدا بھی ہے) (مولانا روم)

مولائے روم فرماتے ہیں کہ جب دل کا آئینہ پاک اور شفاف ہو جائے تو ایسا دل حقیقی مسجد اور خانہ خدا بن جاتا ہے اور اس جگہ خدا کے نور کے جلوے بھی نصفگان ہونے لگ جاتے ہیں جو لوگ ایسے لوگوں کے دلوں میں ہوتے ہیں وہ بھی فیضان الہی حاصل کرنے کی استطاعت حاصل کر لیتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

دل نہیں شاعر کا ہے کیفیتوں کی رستیر کیا خبر تجھ کو درون سینہ کیا رکھتا ہوں میں

یوم دفاع پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

مرتب: محمد حسین آزاد الا زہری

تو مous اور ملکوں کی تاریخ میں کچھ دن ایسے ہوتے ہیں جو عام ایام کے برعکس بڑی قربانی مانگتے ہیں۔ یہ دن فرزندان وطن سے حفاظت وطن کے لئے تن من دھن کی قربانی کا تقاضا کرتے ہیں، ماں سے ان کے جگر گوشے اور بوڑھے باپوں سے ان کی زندگی کا آخری سہارا قربان کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ قربانی کی لازوں وال داستانیں رقم ہوتی ہیں، سروں پر کفن باندھ کر سرفروشان وطن رزمگاہ حق و باطل کا رخ کرتے ہیں، آزادی کو اپنی جان و مال پر ترجیح دے کر دیوانہ وارثتے ہیں، کچھ جام شہادت نوش کر کے امر ہو جاتے ہیں اور کچھ غازی بن کر سرخو ہوتے ہیں۔ تب جا کر کہیں وطن اپنی آزادی، وقار اور علیحدہ تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

یہ ایام فیصلہ کن ہوتے ہیں، اگر قربانی کا حق ادا نہ کیا جائے، جان و مال کو وطن پر ترجیح دی جائے، ماں کی ممتاز پنے جگر گوشے کو قربان کرنے سے گریزاں ہو، بوڑھا باپ اپنا اور خاندان کا سہارا کھونے کے لئے تیار نہ ہو تو پھر وطن اپنا وجود کھو بیٹھتے ہیں، تو میں تاریخ کا حصہ اور پارینہ قصہ بن جاتی ہیں، اور آزادی کی بجائے غلامی کی زندگی قوموں کا مقدار بن جاتی ہے۔

ایسا ہی ایک دن وطن عزیز پاکستان پر بھی آیا جب بھارت نے اپنے خبث باطن سے مجبور ہو کر ستمبر 1965ء کو پاکستان پر شب خون مارا۔ بھارت کا خیال تھا کہ راتوں رات پاکستان کے اہم علاقوں پر قبضہ کر لیں گے اور ناشتے میں لاہور کے پائے کھائیں گے۔ لیکن انہیں اندازہ نہیں کہ شیر سویا ہوا ہو پھر بھی شیر ہی ہوتا ہے۔ افواج پاکستان اور عوام پاکستان نے مل کر دیوانہ وار دشمن کا مقابلہ کیا۔ سروں پر کفن باندھ کر دشمن سے بھڑکنے، جسموں سے بارود باندھ کر ٹینکوں کے آگے لیٹ گئے، عوام نے اپنا سب کچھ دفاع وطن کے لئے قربان کر دیا۔ اور ہندو نیئے کے ناپاک عزم کو رزق خاک بنا دیا۔ طاقت کے نشے سے چور بھارت پاکستان کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کے لئے آیا تھا لیکن ہمہ کے لئے ناکامی کا بد نہاد راغ اپنے سینے پر سجا کر واپس گیا۔ وہ شاید اس بات سے بھی واقف نہیں کہ جوز میں شہداء کے لہو سے سیراب ہوتی ہے وہ بڑی زرخیز اور بڑی شاداب ہوتی ہے۔ اس

کے سپوت اپنی دھرتی کی طرف اٹھنے والی ہر انگلی کو توڑنے اور اس کی طرف دیکھنے والی ہر میلی آنکھ کو پھوڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جان وار دیتے ہیں لیکن وطن پر آئج نہیں آنے دیتے۔ اور اس کا بہترین مظاہرہ 6 ستمبر 1965ء کو کیا گیا، انہتائی بے سرو سامانی کے عالم میں بھی جرات و بہادری کی وہ درخشش مثالیں قائم کی گئیں کہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

یوم دفاع پاکستان ہمیں اس دن کی یاد دلاتا ہے جب پاکستان کے شہیدوں، جری جوانوں اور غیر پاسبانوں نے دفاع پاکستان کی خاطر سرحدوں پر اپنی بہادری اور شجاعت کا لوہا منوایا۔ ان کی شجاعت کے ناقابل یقین کارنامول کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ ان کی فرض شناسی اور حب الوطنی جدید جنگوں کی تاریخ میں درخشندہ مقام پر فائز کی جاسکتی ہے۔ ان کا یہی جذبہ شجاعت تھا کہ جس نے پاکستانی عوام کے ساتھ مل کر اپنے سے پانچ گنا بڑے اور جدید اسلحہ سے لیس دشمن کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ یہ ایک تاریخی معز کرنا جس میں ہمت اور حوصلوں کی بے مثال کہانیوں نے جنم لیا۔ پوری دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ پاکستان کی عوام اور افواج دشمن کے عزم کے آگے سیسے پلاپی دیوار بن کر کھڑے ہوئے۔

اس جنگ کا پس منظر یہ تھا کہ 1962 میں بھارت نے چین کو دعوت مبارزت دی مگر منہ کی کھائی۔ چین از خود جنگ بند نہ کر دیتا تو بھارت صدیوں تک ذلت کے داغ دھونے سکتا۔ 1965 میں بھارت نے رن کچھ کے محاذ پر پاکستان سے پنج آزمائی کی مگر ذلت اٹھانا پڑی۔ جس پر بھارتی وزیراعظم نے اعلان کیا کہ اب ہم مرضی کا محاذ منتخب کر کے پاکستان کو مرا چکھائیں گے۔ چنانچہ بھارت نے چھ ستمبر کو اچانک لاہور کے تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ وسط میں لاہور پر حملہ کے ساتھ شمال میں جہڑ کے مقام پر اور جنوب میں قصور کے مقام پر محاذ کھول دیئے جائیں۔ میکر جزل زنجن پرشاد کی قیادت میں پچیسوائی ڈویشن ٹینکوں اور توپ خانے کی مدد سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ستائیں رینجرز کے مٹھی بھر جوانوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ ان پلنٹوں کے تمام جوان آخری گولی اور آخری سانس تک لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔ نہ کوئی پیچھے ہٹانے کسی نے ہتھیار ڈالے بھارتی فوج جسے لاہور کے مضائقات میں ناشستہ کرنا تھا۔ پوچھنے تک بنشکل تین میل آگے بڑھ سکی۔

اس محاذ پر پاک فوج کے زیریکمان قوت صرف سات بیالیوں پر مشتمل تھی اور محاذ ۵ میل لمبا تھا۔ لاہور میں داخل ہونے کے لئے باتا پور کے پل پر قبضہ ضروری تھا..... چنانچہ ایک پورے بھارتی بریگیڈ اور ایک ٹینک رجمنٹ نے دوسرا حملہ کیا۔ لاہور کو بھارتی یلغار سے بچانے کے لئے نہربی آرپی کا پل تباہ کرنا بہت ضروری تھا۔ دن کو یہ کام ناممکن تھا۔ دشمن نے پل کے داسیں بائیں گولوں کی بوچھاڑ کر رکھی تھی۔ پل تک دھماکہ نہیز بارود

لے جانے کی کوشش میں ایک جوان شہید ہو گیا۔ اس کے بعد چند رضاکاروں نے ہزاروں پونڈ وزنی بارود ایک گھڑھے میں اتارا۔ اس پر ریت رکھ کر آگ لگانے والی تاروں کو جوڑا اور گولیوں کی بوچھاڑ کو چیرتے ہوئے واپس آگئے۔ ان کا واپس آنا ایک مجزے سے کم نہ تھا۔ یوں لاہور میں داخل ہونے کی بھارتی امیدیں منقطع ہو گئیں۔ اس کے بعد سترہ دنوں کے دوران بھارتی فوج نے تیرہ بڑے حملے کیے مگر ایک انج ہجھی آگے نہ بڑھ سکی۔ باٹا پور سے شکست کھانے کے بعد بھارت نے بھینی کے مجاز پر دباؤ سخت کر دیا۔ یہ مقام باٹا پور سے سات میل شمال کی طرف واقع ہے۔ دشمن کا ارادہ تھا کہ وہ لاہور شہر کو ایک طرف چھوڑ کر بھینی کے راستے محمود بولی پر بند پر پہنچے اور وہاں سے راوی کے پل پر قبضہ کر کے لاہور کو راوی پنڈی سے کاٹ دے۔ چنانچہ یہاں دشمن نے اپنی حملے کیے اور تقریباً ڈیر ہزار گولے بر سائے مگر ہر حملے میں منہ کی کھا کر پسپا ہو گیا۔ برکی سیکھر پر دشمن نے ایک ڈویشن اور دو بریگیڈوں کی مدد سے حملہ کیا۔ پنجاب رجنٹ کی ایک کمپنی اس پر ٹوٹ پڑی اور پورے نو گھنٹے تک دشمن کی یلغار روکے رکھی۔ دشمن نے دوبارہ صفائی کرنے کے بعد حملہ کیا تو پاکستان کی ٹینک شکن رائفلوں اور توپخانوں کے گلوں نے دشمن کو آڑے ہاتھوں لیا۔ 10 ستمبر تک دشمن نے چھ حملے کیے جنہیں پسپا کر دیا گیا۔ 10 اور 11 ستمبر کی درمیانی شب دشمن نے پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ حملہ کیا۔

میجر عزیز بھٹی رات بھر دشمن کو روکے رہے۔ صبح کے قریب دشمن نے نہر کی طرف سے بھی گاؤں کو محاصرے میں لے لیا تو میجر عزیز بھٹی نے نہر کے مغربی کنارے پر چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ ۲۱ ستمبر کی صبح وہ ذاتی سلامتی سے بے نیاز ہو کر نہر کے کنارے ایک اوپنی اور کھلی جگہ پر کھڑے اپنے جوانوں کی قیادت کر رہے تھے اور اسی مقام پر انہوں نے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ بہادری کی بے مثال روایت قائم کرنے پر انہیں سب سے بڑا فوجی اعزاز نشان حیردیا گیا۔

بھارتی ہائی کمائنڈ نے قصور کی طرف پیش قدمی کامیاب بنانے کے لئے بھیکی ونڈ اور کھیم کرن کے نواحی میں تقریباً دو ڈویشن فوج صفائی کی۔ اس مجاز پر ضلع لاہور کے سرحدی گاؤں بیدیاں کو پیش قدمی کے آغاز کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ اس رات یہاں پاکستانی فوج کی صرف ایک بیالین موجود تھی۔ اگلے دفعائی مورچوں میں فرسٹ ایسٹ بنگال رجنٹ کی صرف ایک کمپنی صفائی کیا تھی۔ یہاں دشمن نے چودہ بڑے حملے کیے مگر پاکستانی جوانوں نے انہیں ایک انج آگے بڑھنے نہ دیا۔ قصور کے بعد دشمن نے کھیم کرن کے مجاز پر اپنی عسکری قوت کا مظاہرہ کیا۔ بھارتی فضائیہ بھی مجاز پر آگئی مگر پاکستانی طیارہ شکن توپوں سے وہ جلد ہی پسپا ہو گئی۔ دشمن کے سات ٹینک تباہ ہوئے تو اس کی صفوں میں کھلبی مچ گئی۔ 8 ستمبر کو کھیم کرن پر پاکستان کا قبضہ ہو گیا۔

بھارتی کمانڈر انچیف نے پسپا ہوتی ہوئی فوج کو مزید سکھیجی تاکہ کھیم کرن واپس لے سکے۔ ضلع ساہیوال میں بین الاقوامی سرحد سے انداز ایک میل ادھر دریائے ستھ پر سلیمانی ہیڈ ورکس واقع ہے۔ یہاں سے نکلنے والی نہریں ملتان اور بہاولپور کے سبع علاقوں کو سیراب کرتی ہیں۔ اس اہم خطے پر دشمن کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ ہماری افواج نے دشمن کی پیش قدمی کا انتظار کرنے کی بجائے آگے بڑھ کر دشمن کے حوصلے پست کر دیئے۔ موضع نور کی چوکی صرف ایک ہی پاکستانی پالٹوں نے شب خون مار کر فتح کر لی۔ ان مقامات پر نکست کھانے کے بعد دشمن نے موضع پکا میں دفاعی پوزیشن لے لی۔ اس کے پاس ہر قسم کا اسلحہ موجود تھا۔ دونوں فوجوں کے درمیان سیم زدہ دلدلی علاقہ اور ایک جھیل حائل تھی۔ پاکستانی فوج کی ایک سکپنی نے توپوں اور مشین گنوں کی اندرها دھنڈ فائرنگ سے دشمن کی یلغار روک دی۔ جنگ بندی کے قریب دشمن نے ایک بار پھر بھر پر حملہ کیا جس پر دشمن کے ڈیڑھ سو آدمی مارے گئے۔

لاہور پر حملے کے چوبیں گھنٹے بعد بھارتی فوج نے تقریباً پانچ سو ٹینک اور پچاس ہزار فوج کے ساتھ سیالکوٹ پر اچانک حملہ کر دیا۔ پاکستان کی طرف سے صرف سوا سو ٹینک اور تقریباً نو ہزار جوان میدان میں آئے۔ بھارتی منصوبہ یوں تھا کہ پہلے جسٹر پھر سچیت گڑھ پر حملہ کیا جائے۔ ہر دو مقامات پر پاکستانی فوج الجھ جائے گی تو حملہ آور فوج درمیان سے گزر کر پسروں سے ہوتی ہوئی جی ٹی روڈ پر پہنچ جائے گی۔ جسٹر کے مقام پر پاک فوج نے صرف دو بیالینوں کے ساتھ حملہ آور فوج کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا۔ ادھر سچیت گڑھ میں بر گیڈیر ایس ایم حسین نے دشمن کو ناکوں پنے چبوا دیئے۔ اور ۸ ستمبر کی درمیانی رات بھارتی فوج نے چونڈہ کے محاذ پر حملہ کر دیا۔ اس محاذ پر پیدل فوج کی دو بیالین اور ایک آرمٹر جنٹ دشمن کے استقبال کیلئے موجود تھیں۔ جنگ کا میدان گرم ہوا تو پاکستان کے صرف تیس ٹینکوں نے بھارت کے ایک سو دیو ہیکل ٹینکوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

دشمن کا پروگرام 24 گھنٹے کے اندر چونڈہ سے آگے بڑھ جانا تھا مگر اب 72 گھنٹے بعد بھی وہ ایک انج آگے نہ بڑھ سکا تھا چنانچہ وہ مزید طاقت لے کر میدان میں اتر آیا اور اس طرح دوسرا عالمی جنگ کے بعد ٹینکوں کی جنگ کا دوسرا بڑا میدان گرم ہوا۔ گولہ بارود سے فضا ہواں دھار تھی۔ پاکستانی ہیڈ کوارٹر نے حکم دیا تھا کہ جب تک آخری جوان باقی ہے اور ایک بھی گولہ موجود ہے چونڈہ کا دفاع کیا جائے۔ بھارتی جرنیلوں کے پاس تازہ دم فوج، ٹینکوں اور گولہ بارود کی نہ تھی..... وہ سترہ ستمبر کو تازہ دم فوج میدان میں لے آئے اور چونڈہ کے مغرب میں ریلوے لائن سے سڑک کی طرف پیش قدمی شروع کر دی..... جہاں ہمارے افسر اور جوان گھات لگائے بیٹھے تھے۔ ٹینکوں کے انجن بند کر دیئے گئے تھے تاکہ دشمن کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو سکے۔ جب دشمن کی پوری جمعیت اپنی کمین گاہ سے نکل آئی تو انہوں نے فائزگ کا حکم دے دیا۔ دشمن کے صرف 105 سپاہی زندہ

بچے جنہیں جنگی قیدی بنالیا گیا۔

بھارت چاہتا تھا کہ پاکستانی فوج کو کارگل سے لے کر تھرپار کرتک تقریباً ڈیڑھ ہزار میل بھی سرحد پر پھیلا کر کمزور کر دیا جائے چنانچہ راجستھان کے محاذ پر بھارتی فوج کی ایک پیدل بٹالین نے ٹینکوں کے دو اسکواڑزنوں کی مدد سے گدر و پر جملہ کر دیا۔ یہاں مٹھی بھر ریخبرز نے دشمن کی بیگنا کوتین گھنٹے تک روکے رکھا۔ 9 ستمبر کو آگے بڑھ کر مونا با پر گول باری شروع کر دی۔ اس اسٹینشن سے بھارتی فوج کو رسید پہنچ رہی تھی۔ صرف سترہ گولے برسانے سے دشمن کی فوج میں کھلبی مج گئی۔ مونا با پر قبضہ کرنے سے دشمن کی سپلائی کٹ گئی۔ اس معرکے میں سندھ کے مجاہدین بھی اپنی فوج کے دست و بازو بن گئے۔ سندھ کے محاذ پر روہڑی، کھاری، بجے سندھ اور متراکی فوجی چوکیوں پر پاکستانی جوانوں نے قبضہ کر لیا۔ حیدر آباد کو خیڑ کرنے کے خواب دیکھنے والی بھارتی فوج ایک ہزار دوسو مرلیع میل کا علاقہ گنو بیٹھی۔ پھمپ کے محاذ پر پہلی دفعہ بھارت سے فضائی جھٹپ پ ہوئی۔ چند لمحوں میں دشمن کے چار اعلیٰ ویپاری طیاروں کو مار گرایا۔ اس کے بعد اس محاذ پر اسکواڑرن لیڈر ایم ایم عالم اور فلاٹٹ یونیٹ یوسف علی خان نے دشمن کی زمینی فوج کو بے بس کر کے رکھ دیا۔

پاک فضائیہ کے ایک اسٹار فائلر "ایف 104" نے دشمن کا جہاز پسرور کے ہوائی اڈے پر اتار لیا اور اسکواڑرن لیڈر بر ج پال سنگھ کو گرفتار کر لیا گیا۔ 6 ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر جملہ کیا تو فضا میں بھی مذکور ہونے لگی۔ پاک فضائیہ کے دو اسٹار فائلر نے دشمن کے چار طیاروں کا مقابلہ کیا اور ایک کو گرانے میں کامیاب ہو گئے۔ لاہور پر بھارتی فوج کے حملے کے بعد چھ طیارے فضا میں یکدم نمودار ہوئے اور پورے بیس منٹ تک دشمن پر بھوں رکھوں اور گولیوں کی بارش کرتے رہے۔ پھر ان کوٹ کے ہوائی اڈے کی تباہی نے بھارتی فضائیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ اس کارنامے کے بھی سرخیل سجاد حیدر ہی تھے۔ انہوں نے نہایت پنجی پرواز کر کے دشمن کے بارہ جنگی اور دوڑ انسپورٹ طیارے اڈے پر کھڑے کھڑے ہی تباہ کر دیئے اس کے علاوہ اڈے کو مزید کام دینے کے لئے ناکارہ بھی کر دیا۔

فضائی معرکے کا ایک قابل تحسین معرکہ ایم ایم عالم کا ہے۔ انہوں نے سرگودھا کے قریب ایک ہی جھٹپ میں دشمن کے پانچ طیارے گرا کر ریکارڈ قائم کر دیا۔ اس کے بعد بھارتی فضائیہ کو سرگودھا کی جانب جانے کی جرات نہیں ہوئی۔ ابوالہ کے دفاعی انتظامات کی بڑی کہانیاں مشہور تھیں۔ یہی خطرات پاکستانی ہوا بازوں کے لئے چیلنج بنے ہوئے تھے۔ 21 ستمبر کو سحر سے ذرا پہلے ونگ کمانڈر نذریں لطیف اور اسکواڑرن لیڈر نجیب احمد خان دو بی 57 بمبار طیارے لے کر آسمان کی وسعتوں میں نمودار ہوئے۔ انہوں نے دشمن کے ہوائی اڈے کو

بہوں کا نشانہ بنایا۔ دشمن نے بے پناہ گولہ باری کی مگر دونوں جوانوں نے کمال حوصلے اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا مشن پورا کر دیا۔

انبالہ کے دفاعی انتظامات کا غرور آن واحد میں خاک میں مل گیا۔ سترہ روز جنگ کے دوران پاکستان کے جرات مند ہوابازوں نے 35 طیاروں کو دب و مقابلے میں اور 43 کو زمین پر ہی تباہ کر دیا تھا۔ 32 طیاروں کو طیارہ شکن توپوں نے مار گرایا۔ بھارت کے مجموعی طور پر 110 طیارے تباہ کر دیے گئے۔ اس کے علاوہ ہماری فضائیہ نے دشمن کے 149 میٹنک¹ 200 بڑی گاڑیاں اور 20 بڑی توپیں تباہ کر دیں۔ اس کے مقابلے میں پاکستان کے صرف 19 طیارے تباہ ہوئے۔ پاک فضائیہ کے ان عظیم کارناموں پر عالمی حقوق کی طرف سے حیرت و استحباب کا اظہار کیا گیا۔ جنگ تمبر میں پاک بحریہ کو سمندری جنگ کے معروفوں میں جو برتری حاصل رہی ان میں معزکہ دوارکا قابل ذکر ہے۔ یہ معزکہ پاک بحریہ کی تاریخ میں یادگار حصہ بن چکا ہے۔ دوارکا کی تباہی کا یروونی اخبارات میں بڑا چرچا ہوا۔ برطانوی اخبارات نے تو خاص طور پر کہا کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد بھارت کی سرزی میں پر سمندر کی جانب سے پہلی گولہ باری ہوئی ہے۔

انہوں پاک بحریہ کی جرات اور مستعدی کی تعریف کی۔ خاص طور سے اس لیے کہ مخالف طاقت اس سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔ 1965 میں صرف اس کارروائی نے دشمن پر یہ ظاہر کر دیا کہ سمندوں میں اس کو منمانی نہیں کرنے دی جائے گی۔ یہ کارنامہ دراصل ان لوگوں کے لیے بھی قابل فخر ہے جو پاکستان نیوی کے جہازوں کو سنبھالے ہوئے تھے اور ان میں ان لوگوں کا بھی حصہ تھا جو ساحل پر میٹھے ان جہازوں کو سمندوں میں خدمات بجا رکھنے کے قابل رکھنے کے کاموں میں مصروف تھے۔ پاکستان کی تینوں مسلح افواج ہر مجاہد پر برسر پیکار تھیں۔ ان افواج کو حوصلہ اور تقویت عطا کرنے میں پاکستان کی غیور عوام کا بھی نہایت اہم کردار تھا۔ وہ اپنی مسلح افواج پر اپنا سب کچھ نچحاور کرنے کے لئے تیار تھے۔ لاہور کے عوام کو جب جنگ کی اطلاع ملی تو وہ تانگوں پر کھانا، اچار، کپڑے، سگریٹ غرض ہر وہ چیز جو ان کی دسترس میں تھی..... لے کر اپنے جوانوں کو دینے کے لئے سرحدوں کی جانب دوڑے۔ جب فوجیں سرحد کی طرف جاتیں تو بوڑھے مرد اور عورتیں سڑک کے کنارے ان کی سلامتی کے لئے دعا کیں مانگتے۔ ان کی مدد کے طریقے پوچھتے اور بچ جذبہ عقیدت سے سلوٹ کرتے۔

بہنیں اللہ سے ان کی حفاظت کے لئے دعا کیں مانگتیں۔ شاعر ملی ترانے لکھ کر اپنے جذبوں کا اظہار کر رہے تھے۔ غرضیکہ پورا ملک جنگ میں شامل تھا مگر کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ پاکستانی عوام فضا میں پاک فضائیہ کے شاہینوں کی کارروائیوں کو دیکھتے تھے۔ الفرض اس جنگ میں ہماری قوم نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ آزمائش کی ہر

گھری میں پاک فوج کے شانہ بٹانے ہر قربانی دینے کو تیار ہے۔ اس نے دشمن کی عددی برتری کی ماضی میں پروا کی ہے نہ آئندہ کرے گی بلکہ دشمن کے سامنے سیسے پلاٹی دیوار ثابت ہو گی۔ جنگ ستمبر 1965 کے دوران قوم کا جذبہ دفاع اپنے عروج پر تھا۔ یہ حوصلوں اور جرتوں کی جنگ تھی۔ اگر بھارت کے پاس کثیر تعداد میں اسلحہ و بارود تھا تو پاکستان کے غازی جذبہ ایمانی سے سرشار تھے۔

غیر ملکی صحافیوں اور مصروفین کی کثیر تعداد سرحدوں پر موجود تھی اور کسی کو اس امر میں شک نہیں تھا کہ پاکستانی قوم نے متعدد ہو کر اپنے سے کہیں زیادہ بڑے اور طاقتور دشمن کو ہر محااذ پر ذلت آمیز شکست دی۔ پاکستان کی تیوں افواج کا دفاع اور عوام کے ایثار و قربانی کے مظاہرے ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔

ہماری ذمہ داریاں

آج ہم 44 وال یوم دفاع منا رہے ہیں، ہرسال کی طرح اس سال بھی وطن عزیز کے لئے دعا میں ہوں گی، سرکاری اور خجی سطح پر تقاضا بہت کا اہتمام ہوتا ہے، افواج پاکستان پر یہ پیش کرتی ہیں، تو پوں کی سلامی سے شہداء کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ دفاع وطن کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرنے کے دعوے کئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اور پھر شام ہو جاتی ہے، جب صبح سو کراٹھتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ ایک دن قبل کئے گئے وعدے اور دعوے بھول جاتے ہیں۔ پھر وہی کاروبار زندگی، وہی سیاست کی سیاہ کاریاں، وہی دولت کی ہوس، وہی اقتدار کی جنگ، وہی کاسہ لیسی، وہی غیروں کی غلامی، وہی ازلی دشمنوں سے دوستی کی پیشگوئی۔۔۔۔۔ نیز ہر وہ کام جو دفاع وطن کے فلسفے کے خلاف اور جو شہداء کے مقدس خون سے خداری کے مترادف ہو، حب الوطنی کے لبادے میں کیا جاتا ہے۔

کیا اسی لئے شہداء نے اپنا خون، ماڈل نے اپنے جگر گوشے اور قوم نے اپنے سپوٹ قربان گاہ عشق میں وارد یئے تھے؟ کیا ہم نے اسی لئے قربانیوں کی داستانیں رقم کی تھیں کہ پھر اسی دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے؟ کیا جرات و بہادری کا بھی تقاضا ہے کہ اپنا جائز حق مانگنے کے لئے بھی متنیں اور سماجتیں کی جائیں، دشمن ہمارا پانی بند کر دے، ہماری شہرگ پر قابض ہو کر ظلم و جبر کے پھاڑ توڑے اور ہم مذاکرات کے لئے اپنے سارے وسائل صرف کر دیں، جس کا نتیجہ سوائے دشمن کو مزید مہلت دینے کے کچھ نہ ہو؟

اگر قیامت کے دن ان ماڈل نے ہمارا گرینیان پکڑ کر سوال کر لیا کہ کیا اسی لئے ہم نے اپنے بیٹے وطن کے لئے وارے تھے تو کیا جواب ہو گا؟ اگر شہریوں نے پوچھ لیا کہ کیا ہم اسی لئے جان سے ہارے تھے تو کیا جواب ہو گا؟ آج وطن عزیز جن حالات سے دوچار ہے وہ انتہائی تشویش ناک ہیں۔ اندر وہی اور بیرونی طور پر

وہ شمنان پاکستان ہماری جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف عمل ہیں، ایک طرف بھارت ہے جس کو چین نصیب نہیں، دوسری جانب افغان سرحد پر استعماری تو قیں اسلامی جمہوریہ کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہیں۔ اندر وہی طور پر قبائلی علاقوں میں اپنی ہی فوج اپنی ہی عوام کے خلاف بر سر پیکار ہے۔ بلوچستان میں ہماری اپنی کوتا ہیوں کے باعث آزادی کی تحریک دن بدن زور پکڑ رہی ہے۔ خودکش حملوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مہنگائی بام عروج پر پہنچ چکی ہے۔ اور حکمران اقتدار کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

امریکہ بہادر پاکستان کے اندر تک گھس آیا ہے، بنام زمانہ 148 بلیک واٹر 147 امریکی سفارتخانے کی زیر سرپرستی مصروف ہے۔ پاکستان کی سالمیت کا ضامن ایئم پروگرام خطرات میں گھرتا جا رہا ہے اور ہم سوئے ہوئے ہیں۔

ان مشکل حالات میں ضروری ہو گیا ہے کہ ایک بار پھر اسی جذبے کے ساتھ دفاع وطن کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ وہی جرات اور بہادری، وہی عزم و استقلال اور وہی جہد مسلسل ہمارا زاد را ہو۔ اس سے ایک طرف ہم یہ وہی دشمن کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے تقویت حاصل کریں تو دوسری جانب اندر وہی مشکلات کا مقابلہ کرنے میں تخلی و برداشت کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ ہماری طرف سے اٹھنے والا کوئی جذباتی قدم دشمن کو فائدہ نہ دے۔ آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور نعمت قربانی مانگتی ہے۔ جتنی بڑی نعمت ہو اتنی بڑی قربانی ہوتی ہے۔ ہمارے اسلاف نے قربانیاں دیں جس کے نتیجے میں ہم آج آزاد فضا میں جی رہے ہیں۔ دنیا کے نقش پر ایک آزاد وطن اور آزاد قوم کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جیسے قربانی کا جذبہ ماند پڑتا ہے اسی طرح آزادی کا تصور بھی دھنڈلاتا جاتا ہے۔

قدیمتی سے آج ہم اسی دور سے گزر رہے ہیں۔ ہم نے قربانی سے انحراف کیا تو دشمنوں نے ہر محاذ سے ہماری آزادی کو چلچیت کر دیا۔ ڈرون حملوں سے لے کر اسلام آباد میں امریکہ کے 200 گھر کرائے پر لینا، بلیک واٹر کی کاروائیاں، بلوچستان میں آزادی کی تحریک، سرحد کی صورتحال اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

آئیے مل کر عہد کریں کہ وطن عزیز پر کبھی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر وطن عزیز کی فلاح اور دفاع کے لئے کردار ادا کریں گے۔ اور اپنے قول و فعل سے کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے وطن عزیز کی عزت پر حرف آسکے۔

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشه زوال نہ ہو
تو حید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

کیا قائد اعظم محمد علی جناح سیکولر تھے؟

ڈاکٹر ساجد خاکواني

بانی پاکستان محمد علی جناح کے بارے عام تصور یہ پھیلایا جاتا ہے کہ وہ سیکولر اور لا دین ذہن کے مالک تھے، جبکہ انکی زندگی کے متعدد واقعات اس غلط تصور اور فرضی خیال کی مکمل نفی کرتے ہیں۔ بہت اوائل اور نوجوان عمری میں جب کہ انسان کی اپنی سوچ ابھی پختہ نہیں ہوئی ہوتی اور گھر بیوی تربیت کا بہت سا اثر باقی ہوتا ہے جب قائد اعظم محمد علی جناح انگلستان پہنچے اور قانون کی تعلیم کے لیے تعلیمی ادارے کے انتخاب کا مرحلہ درپیش ہوا تو دوادروں میں سے اس ادارے کا انتخاب کیا جس کے باہر دنیا کے مشہور قانون دانوں کی فہرست میں سب سے اوپر محسن انسانیت طہیۃ القلم کا نام مبارک لکھا تھا۔ قانون کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو لندن کے ایک ڈرامیک کلب میں شمولیت اختیار کر لی اور ان سے ادائیگی کا چیک بھی وصول کر لیا۔ ایک ڈرامے کی مشق کے دوران قائد اعظم سے کہا گیا کہ ایک لڑکی کے چہرے پر بوسے لیں، اس وقت ان کی عمر 19 برس کی تھی، ہندوستان کے ایک نوجوان کے لیے یہ محض ایک حسین خیالی بات تھی کہ وہ لندن جیسے شہر میں ب्रطانوی لڑکی کا بوسے لے لیکن قائد اعظم نے محض یہ کہ کر ڈرامے کا یہ منظر مشق کرنے سے انکار کر دیا کہ میرے مذہب میں اسکی اجازت نہیں ہے۔

ہندوستان میں اپنے والد بزرگوار محترم پونجا جناح کو خط لکھا کہ میں قانون کی تعلیم میں آگے بڑھنے کی بجائے ڈرامے کے میدان کا انتخاب کیا ہے اور ایک کلب میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ والد نے جوابی خط میں سختی سے اس بات سے منع کیا اور حکم دیا کہ فوراً کلب سے مستعفی ہو کر قانون کی مزید تعلیم جاری رکھو۔ قائد اعظم نے ابھی وہ چیک کیش نہ کروایا تھا اور بغیر کسی پس و پیش کے یہ کہ کر کلب والوں کو لوٹا دیا کہ یہ میرے والد کا حکم ہے اور میرے مذہب میں والدین کی نافرمانی کی گنجائش نہیں۔ قانون کی تعلیم کے بعد ہندوستان لوٹے اور بے میں وکالت کا آغاز کیا۔ بے بے آزاد خیالی میں اس زمانے کے دوران بھی لندن سے کسی طور کم نہ تھا، ایک نوجوان خوبصورت جھوٹی لڑکی قائد اعظم پر فریفہتہ ہو گئی، ہر طرح سے مايوں ہو چکنے کے بعد جب اس نے شادی کی خواہش

کا اظہار کیا تو قائد اعظم نے کہا مذہب کا اختلاف اسکی اجازت نہیں دیتا۔ وہ مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ ہوئی تو اٹھارہ سال کی قانونی مدت پوری ہونے تک اسے ایک سال کا انتظار کرنا پڑا۔ ایک برس بعد وہ عدالت سے مسلمان ہونے کی ڈگری لائی تب قائد اعظم نے اس سے نکاح کیا۔

ہندوستان کے حالات سے مایوس ہونے کے بعد وہ ایک بار پھر انگلستان سدھا رکھنے کے لئے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے خط لکھ کر انہیں واپس بلایا اور غلامی کے اس پرآشوب دور میں مسلمانوں کی قیادت کرنے کے لیے تیار کیا۔ سوال یہ ہے کہ قائد اعظم اگر سیکولر اور لا دین ذہن کے مالک تھے تو علامہ اقبال جیسا درد دل رکھنے والا بنیاد پرست مسلمان کی نظر انتخاب ان پر کیوں پڑی؟ کیا علامہ محمد اقبال جیسا رائج العقیدہ مسلمان کہ جس کا ہاتھ تاریخ کی بخش پر تھا وہ مسلمانوں کی قیادت کے لیے ایک لا دین شخص کا انتخاب کرتا؟ ہرگز نہیں مذکورہ واقعات اور ان صفحات میں آئندہ آنے والی تحریری شہادتیں اس امر کی قطعی نفی کرتی ہیں۔

تحریک پاکستان کے دوران قائد اعظم کی تقاریر جہاں پاکستان کو نظریاتی اساس فراہم کرتی ہیں وہاں انکے ذہن تک رسائی کا بھی ایک وقیع ذریعہ ہیں، ذیل میں انکی تقاریر سے چند اہم اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں:

”کوئی شبہ نہیں کہ لوگ ہمارا مدعایا پوری طرح نہیں سمجھتے، جب ہم اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اسلام صرف چند عقیدوں، روایتوں اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اسکی زندگی اور کردار کو سیاست اور معاشرت تک کے معاملات میں انظباط عطا کرتا ہے۔“ (کرم حیدری، قائد اعظم کا اسلامی کردار، صفحات 101، 102، 103 مقتوبات حرمت راولپنڈی 1984ء)

”قرآن مجید کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا سیاسی، معاشرتی اور معاشی غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔“
(کرم حیدری، قائد اعظم کا اسلامی کردار، صفحہ 103)

”اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس میں اطاعت و وفا کیش کا مرتع خدا کی ذات ہے۔۔۔۔۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔“ (کرم حیدری، قائد اعظم کا اسلامی کردار، صفحہ 103)

”وہ کونسا رشتہ ہے جس میں تمام مسلمان مسلک ہو کر جسد واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔ وہ رشتہ خدا کی

کتاب قرآن مجید ہے، ایک خدا ایک رسول ایک امت،" (سعید راشد، قائد اعظم گفتار و کردار، صفحہ 513، مکتبہ میری لاہوری لاحور 1986)

"ہماری اسلامی تہذیب کو کوئی نہیں مٹا سکتا، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورنے میں ملی ہے۔ ہمارا نور ایمان زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہے گا۔ دشمن بے شک ہمارے اوپر ظلم کرے، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھ لیکن ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ عگین فیصلہ کر لیا ہے اگر مرننا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مریں گے" (آغا اشرف۔ مرقع قائد اعظم صفحہ 41 مقبول اکیڈمی لاحور 1992)

"مسلمان ایک جھوٹے احساس سلامتی میں بٹالائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاح کوتاری جی، آئینے اور قانونی سمجھا جانے لگا لیکن مسلمان کسی حیثیت سے بھی یورپی ممالک کی اقلیت نہیں ہیں، ایک چیز قطعی ہے اور وہ یہ کہ ہم کسی طرح بھی اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے نصب اعین کے ساتھ بجائے خود ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں" (ڈاکٹر اسعد گیلانی، اقبال، قائد اعظم اور مولانا مودودی، صفحہ 75)

"پاکستان اس دن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان کا پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا، مسلمانوں کی قومیت کا بنیادی کلمہ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ آپ نے غور کیا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محکم کیا تھا؟ مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی نگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال بلکہ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔" قائد اعظم (ڈاکٹر اسعد گیلانی، اقبال، قائد اعظم اور مولانا مودودی، صفحہ 75)

قائد اعظم کے یہ فرمودات واضح طور پر یہ پتہ دیتے ہیں کہ وہ کبھی بھی سیکولر نہیں رہے، زمانہ طالب علمی اور پیشہ و رانہ زندگی کے واقعات اور تحریک پاکستان کے دوران تقریروں کے اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں اسلامی تعلیمات پوری طرح راست تھیں۔ ایک بار انہوں نے قرآن مجید کو بھی پوری طرح پڑھ کچنے کا عنہدہ یہ دیا تھا لیکن اردو، عربی اور فارسی سے بہت زیادہ واقفیت نہ ہونے کے باعث وہ ہندوستان کی روایتی مذہبیت سے دور ہی رہے۔ پھر کیا یہ ایک تاریخی شہادت نہیں ہے کہ غازی علم دین شہید کا مقدمہ قائد اعظم نے اس وقت مفت لڑا تھا جب کہ انکا شمار ہندوستان بھر کے مہنگے ترین وکیلوں میں ہوتا تھا۔

تحریک پاکستان کے دوران ہندو قیادت نے انگریز سے مراءات لینے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ لارڈ ماونٹ نیشن نے اپنی کتاب میں نہرو کی بیوی سے تعلقات تک کا ذکر بھی کیا ہے، لیکن اس طرح کے ماحول میں

رہنے اور طویل جنگ لڑنے کے باوجود مختار مد فاطمہ جناح کو مردوں سے ہاتھ ملانے تک کی اجازت نہ تھی، حتیٰ کہ کسی نے انہیں ننگے سر بھی نہ دیکھا۔ تقسیم ہند میں اس طرح کے رویے سے مسلمانوں کا نقصان بھی ہوا لیکن قائدِ اعظم نے یہ ثابت کیا کہ ایک سچے مسلمان کے لیے ایمان اور شرم و حیا سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوتا۔ زیارت ریزیڈنسی میں قائدِ اعظم نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے، انکے خدمتگار سے جب ان ایام کا احوال پوچھا گیا تو اس نے بہت ساری باتوں کے ساتھ ساتھ انکی آخری نماز کا بھی تذکرہ کیا، اس کے بقول قائدِ اعظم باقاعدگی سے فقہ حنفی کے مطابق نماز ادا کرتے تھے۔ آخری نماز جوانہوں نے ادا کی اس کا حال خدمتگار کی زبانی سنئے ”ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد انہوں نے کہا کہ عصر کا وقت ہوتے ہی مجھے بیدار کر دینا میں نے کہا جی اچھا، لیکن آنکھ کھلنے پر انہوں نے استفسار کیا کہ کیا ابھی عصر کا وقت نہیں ہوا؟ میں نے کہا ہو چکا ہے لیکن آپ ابھی آرام کر لیں، میں تھوڑی دیر بعد آپ کو نماز پڑھا دوں گا کیونکہ نقابت بہت زیادہ تھی، انہوں نے فرمایا کہ نہیں اول وقت میں نماز کی ادائیگی پسندیدہ ہے پس تکیہ میری کمر کے نیچے کر دو تو میں نماز پڑھ لوں، وضو کے بعد یہ انکی زندگی کی آخری نماز تھی جس کے بعد وہ قومے میں چلے گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔“ قائدِ اعظم کا یہ خدمتگار ہنوز زندہ ہے اور جدہ (سعودی عرب) میں اقامت پریز ہے، انکی یہ روایت ہمارے استاد محترم مولانا عبدالجید اخوان کے ذریعے براہ راست ہم تک پہنچی۔

قائدِ اعظم کی اولاد پوچنکہ اسلام سے گریزان رہی اسی لیے قائدِ اعظم بھی ان سے گریزان رہے اور پورا بڑھا پا کنواری بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گزار دیا۔ جب انتقال ہوا تو وصیت میں یہ لکھ کر گئے کہ ایک حدیث نبوی ﷺ کے مطابق چونکہ مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اس لیے میرے ترکے میں سے ایک پائی بھی میری اولاد کو نہ دی جائے اور اپنی کل جائیداد جس کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں انکے پاس اپنا ذاتی ہوائی جہاز تھا، ساری کی ساری نوزائدہ اسلامی مملکت پاکستان کے نام کر گئے۔ قائدِ اعظم اگر سیکولر اور اولادیں خیالات کے مالک ہوتے تو علامہ شیر احمد عثمانی جیسے جید عالم دین انکی نماز جنازہ کیوں پڑھاتے؟ ٹھیک ہے وہ اس طرح سے مذہبی انسان نہ تھے جس کا تصور ہمارے ہاں پایا جاتا ہے لیکن بہر حال وہ ایک رائخ العقیدہ اور پکے مسلمان تھے۔ جن فاضل مصنفوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس سے بھی قائدِ اعظم کے پختہ ایمان کی تصدیق ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانے میں ان پر سیکولر خیالات کا سایہ رہا بھی ہے تو وہ اسلام اور قرآن کے مطالعے کے بعد ان فرسودہ خیالات سے دستکش ہو کر

شعوری طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے اور ایک سچے مسلمان اور امت محمدی ﷺ کے فرد کی حیثیت سے اپنے رب کے حضور پیش ہوئے۔

اعمال کا دار و مدار نیقوں پر ہوا کرتا ہے، اگر قائدِ عظم کی نیت ایک سیکولر ریاست بنانے کی تھی تو وہ ریاست اسلام کا قلعہ کیسے بن گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں تبلیغ و ارشاد کے لیے یہاں سے جماعتیں روانہ ہوتی ہیں، دنیا بھر میں جہاں جہاں جہاد کا میدان سجاؤں کے لیے اسی مملکت خدا پاکستان نے اپنے سپوٹ اور عسکری راہنمائی کے ساتھ ساتھ مکانہ وسائل بھی فراہم کیے، تین سو سال کے بعد امت کو دفاع کے میدان میں ایئی قوت کی خوشخبری اسی اسلامی ریاست سے میسر آئی اور مستقبل میں بھی مشرق سے مغرب تک کل مسلمانوں کی امید ہیں اسی پاکستان سے وابستہ ہیں گویا پاکستان، اس حدیث نبوی ﷺ کی عملی تصور یہ بنا کہ ”مچھے مشرق سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے“ اور اس سب کا سہرا قائدِ عظم کے سر ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں پر ملوکیت کا سایہ ہو یا غلامی کی اندر ہیری غار، غداروں کی دغا بازیاں ہوں یا ذمہن کے پالتو لوگوں کی حکمرانیاں، سازشوں کے جال ہوں یا تہذیبی و ثقافتی یلغار اس امت کی کوکھ قیادت کے میدان میں ہمیشہ سرسبزو شاداب رہی ہے، یہ آخری نبی ﷺ کی دعاوں کا شمرہ ہے۔ اقوام عالم کو صدیوں کے بعد کوئی قابل قدر راہنمای میسر آتا جسے وہ قرونوں تک پادرکھتے ہیں اور کتنی ہی قویں محسن اس لیے تاریخ کے صفحات میں دفن ہو گئیں کہ انہیں کوئی راہنمای میسر نہ آیا جبکہ امت مسلمہ کا دامن کبھی بھی مخلص دیندار اور جرات مند قیادت سے خالی نہیں رہا۔

اللہ کرے مدارس اسلامیہ سے قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں بلند ہوتی رہیں، اللہ کرے مساجد کے بینار صدائے بلای کے امین رہیں، اللہ کرے ختم نبوت اور صحابہ کرامؓ اور اہل بیت اطہارؓ کی محبت و عقیدت سے اس امت کے نوجوانوں کے سینے سرشار رہیں اور اللہ کرے اس امت کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے کہ بھی عناصر ہیں بانی پاکستان جیسی صاف سترھی قیادت کی فراہمی کے اور یہی امت کے روشن مستقبل کے سنگ ہائے میل ہیں اور میرے اللہ نے چاہا تو وہ دن دور نہیں جب یہی پاکستان شاعر مشرق کے خوابوں کی سچی حسین تعبیر بنے گا اور اس مملکت کی وجہ جواز نظریہ پاکستان کے منکر راندہ درگاہ ہو کر ہمیشہ کے لیے لعنت و ملامت کا نشان بن کر عبداللہ بن الی، میر جعفر اور میر صادق کی صفائی میں شامل ہوں گے۔

خواتین کے لئے آئیڈیل اور نمونہ کامل ہستی

مرتبہ: نازیہ عبدالستار

اس بات سے قطعی انکار کی گنجائش نہیں کہ انسان کی نشوونما اور زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکی کی ضرورتیں اور احتیاجات بھی بدلتے رہتے ہیں اگر یہ تبدیلی نہ ہوتی تو کسی بھی طرح کی ترقی اور نشوونما کا امکان بھی نہ ہوتا چونکہ انسان طبیعی طور سے معاشرتی اور اجتماعی ہے اسی لئے اپنی شخصی اور فردی زندگی کے علاوہ معاشرتی زندگی میں بھی آگے بڑھنا چاہتا ہے اس سلسلے میں اپنی ذاتی صلاحیتوں کے علاوہ ووسروں کے تجربوں اور روزمرہ کے ایسے سارے وسائل کا سہارا لیتا ہے جو اسے جلد از جلد اپنی منزل مقصود سے ہمکنار کر سکتے ہوں انہی میں سے ایک ناقابل انکار حقیقت آئیڈیل، ماڈل یا اسوہ ہے جسکے نقش قدم پر چل کر انسان اپنی زندگی کے مختلف جوانب اور میادین میں رشد و ترقی کی راہوں کو طے کرتا ہے۔ بعض افراد غیر شعوری اور بعض شعوری طور پر اپنی زندگی میں اس ضرورت کو جسمیں کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس میں نہ عمر کا لحاظ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی اور چیز کا۔ بلکہ انسان اپنے آئیڈیل کی کامیاب زندگی کے اصولوں کی پیروی کر کے اپنی زندگی کو بھی کامیاب بنا چاہتا ہے لہذا بچے، بوڑھے، خواتین و مرد، جاہل، عالم، اچھا برا سب کے سب اپنی زندگی میں ایک ایسے آئیڈیل کی تلاش میں ہوتے ہیں جسے وہ اپنی زندگی کے تمام میادین میں نمونہ عمل بنائیں۔ پس دوسرے معنوں میں اگر اسے فطری ضرورت کا نام دیا جائے تو بے جانہ ہو گا۔

جی ہاں دینی اور مذہبی تعلیمات کی رو سے بھی اگر دیکھا جائے تو اس ضرورت پر نہ صرف تاکید ہوئی ہے بلکہ دینی اور اسلامی آئیڈیل اور اسوہ حسنہ کے نقش قدم پر فکری اور عملی میدان میں چلنے پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآنی آیات اور اسلامی روایات کی رو سے بھی زندگی میں آئیڈیل اپنانے پر بہت تاکید ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے انسان کے واسطے ثابت اور منفی دونوں طرح کے آئیڈیل کا تعارف بھی کرایا ہے اور ثبت آئیڈیل کو اس طرح سے پیش کیا ہے کہ گویا تمام اعصار میں تمام نسلوں کے واسطے قابل اعتماد اور قبل عمل ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم نے پیغمبر اسلام ﷺ کو صاحبان ایمان کے لئے اسوہ حسنہ اور ماڈل قرار دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ۔ (الاحزان، ۲۱:۳۳)

"تم میں سے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے اس کے لئے جو بھی خدا اور آخرت سے
امید لگائے ہوئے ہے"

اسی طرح سے توحید اور وحدانیت کی حقیقت کو فروغ بخشنے والے حضرت ابراہیم اور آپکے ساتھیوں کو
مسلمانوں کے واسطے نمونہ عمل اور ماذل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ (المتحن، ٦٠)

"پیشک حضرت ابراہیم اور آپکے ساتھیوں کی زندگی میں تمہارے لئے نمونہ عمل ہے۔"

اور سورہ تحریم کی آخری تین آیتوں میں دو طرح کے منقی اور ثابت آئیڈل پیش کئے گئے ہیں اور اتفاق
کی بات یہ ہے کہ کفار اور غیر مسلموں کے واسطے حضرت لوٹ اور نوح علیہما السلام کی بیویاں منقی آئیڈل اور حضرت
آسمیہ اور حضرت مریم علیہما السلام کو سارے مومن خواتین و مرد کے لئے ثابت آئیڈل قرار دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:
”خدا نے کفر اختیار کرنے والوں کے لئے زوجہ نوح اور زوجہ لوٹ کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں
ہمارے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں لیکن ان سے خیانت کی تو اس زوجیت نے خدا کی بارگاہ میں کوئی فائدہ
نہیں پہنچایا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بھی تمام جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور خدا نے ایمان
والوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال بیان کی ہے کہ اس نے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے جنت میں ایک گھر
بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دلادے اور اس پوری ظالم قوم سے نجات عطا کر دے۔

اور مریم بنت عمران علیہما السلام کی مثال جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح
پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور کتابوں کی تصدیق کی اور وہ ہمارے فرمابندر بندوں میں سے تھی۔
پس فردی اور معاشرتی سطح پر ایک اپنی اور ثابت آئیڈل کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور عقلی
و شرعی اعتبار سے ایک آئیڈل ہماری زندگی میں موثر کردار اپنا تاہے و گرنہ شریعت کی تاکید کرنا بے معنی ہے۔

یہ مضمون چونکہ معاشرے کی ایسی صنف کے آئیڈل کی ضرورت کے پہلو پر روشنی ڈالے گا جسکا انسانی
اور مثالی معاشرہ بنانے میں ایک اہم کردار ہے اگر کہا جائے کہ مرد سے بھی زیادہ اسی صنف کی وجہ سے معاشرے
کی ترقی اور پسمندگی کا دار و مدار ہوتا ہے تو کوئی بیہودہ بات نہیں کہی۔ جی ہاں یہ صنف خواتین ہے بقول امام خمینی:
انسان عورت کی گود سے معراج پر فائز ہو جاتا ہے۔ یہ اس کائنات کی وہ بہترین خلوق ہے جس کے وجود کے بغیر
معاشرہ ناقص اور عیب دار ہے جس کی وجہ سے کائنات کا حسن، دلکشی اور رغبیت برقرار ہے۔ بقول علامہ اقبال:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

عصر حاضر کا انسان ہر طرح کی جیوانی اور پریشانی میں بنتا ہے ہمارے معاشرے کی تئی نسل روز بروز فساد

اور لاابالی کی دلدل میں ہنس چکی ہے۔ آج کے انسان کی زندگی کے مختلف مراحل میں انحراف اور لغزشیں دکھائی دیتی ہیں۔ چونکہ انسان کی فردی اور معاشرتی تربیت، اصلاح اور تہذیب کے عروج و زوال میں خواتین کا اہم کردار ہے لہذا ان سب مشکلات کا حل اسی میں ہے کہ خواتین کی تربیت اچھی ہو۔ انہیں اسلامی اصولوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم اور سماجی مسائل کو حل کرنے کی سوجھ بوجھ حاصل ہو۔ وہ معاشرے کے ہر میدان میں مرد سے قدم پر قدم ملا کے چل سکے اور اسکے اصول اور اعتقادات سے تصادم بھی نہ ہونے پائے۔ اس کیلئے ایک آئینڈیل کی ضرورت ہے ایسا آئینڈیل جسکے اندر یہ سارے امور پائے جاتے ہوں جس سے وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے محبت بھی کرتی ہو اور اسکے عمل اور فکر کی تقلید کر کے زمانے کے ان سارے مسائل میں حصہ بھی لے سکے جو انکا ذاتی حق ہے۔ ایک ایسا ماڈل ہو جسکے نقش قدم پر چل کے اسلام اور معاشرتی مسائل کی لگتھی کو بھی سلیمانیا جاسکے۔

مسلم معاشرے میں ایک طرف سے مغرب تو دوسری طرف مشرق، اپنے وقت، جعلی اور غیر مطمئن آئینڈیل پیش کرتا رہا لہذا ہم اپنے روایتی اور حقیقی آئینڈیل کا صحیح تعارف پیش کرنے سے قاصر ہے میں وجہ ہے کہ دیکھا جائے تو آج بھی ایک اچھے، مطمئن، قابل اعتماد، دائیٰ اور ہمہ گیر آئینڈیل کا فتقان واضح اور نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ آج کی عورت نے ایسے مکاتب کی جانب رخ کیا ہے اور ایسے کھوکھلے اور فرسودہ اور بے اعتبار آئینڈیل اور ماڈل کو اپنالیا ہے، جنکے نقش قدم پر چل کر اس نے اپنی حقیقی پیچان اور شخص ہی کھو دیا ہے۔ وہ اپنی اصلی حقیقت سے جدا اور الگ تھلگ ہو کر غیروں اور اجنیوں سے پوستہ ہو چکی ہے۔ اسی لئے یہ ساری مشکلات اور درد ہھرے نالے اور فریادیں سنائی دیتی ہیں۔

دائیٰ اور ہمیشہ باقی رہنے والے آئینڈیل کے اسرار و رموز:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک دائیٰ اور ہمیشہ رہنے والے آئینڈیل کی ضرورت کیوں ہے؟ وہ اس لئے کہ:

☆ اسکے افکار اور سوچ ہمیشہ کے لئے زندہ ہوتی ہے۔

☆ گفتار اور عمل کے اعتبار سے اسکی سیرت انسانی فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے۔

☆ اسکی عقیدت اور فکر و اندیشہ میں تبکری اور ملاپ پایا جاتا ہے۔

دامنِ اسلام میں ایسے بہت سارے آئینڈیل اور مثالی خواتین موجود ہیں۔ جب دامنِ اسلام میں ایسے آئینڈیل پائے جاتے ہیں پھر ہماری خواتین کی یہ روگرانی اور پریشانی کیسی؟ ہمارے معاشرے کی خواتین کی زندگی ناکام کیوں؟ معاشرہ میں جہالت، پسماندگی، انحراف، فساد اور زبوب حالی کا عروج کیوں؟ بعض جگہوں پر خواتین میں گھٹن کا احساس کیوں؟ معاشرے کی پڑھی لکھی نسلِ اسلامی اور انسانی اقدار اور اصولوں سے کوسوں دور کیوں؟ اب بھی

عورت کی معاشرتی سرگرمیوں کو اسلامی تعلیمات کے منافی سمجھا جانا کیوں؟ ماں باپ، بھائی بہن، بیٹا، بیٹی، میاں ہیوی کو ایک دوسرے کے فرائض اور ذمہ داری سے نا آشنا کیوں؟ ہمارے معاشرے کے روشن خیال طبقہ کا خواتین کے احیائے حقوق کے لئے مغربی اور سامراجی گروہوں، کونشوں اور آرگنائزیشنوں کا سہارا لینا کیوں؟

انکا جواب صرف ایک جملہ میں پوشیدہ ہے کہ ہمارے معاشرے کو ان چہروں سے حقیقی آشنا نہیں ہے ابھی تک ہمیں انکے اصلی اور حقیقی زندگی سے آگئی نہیں کرائی گئی یا یوں کہا جائے کہ ہم خود آشنا نہیں تو اپنے معاشرے کو ان کی پہچان کیا کروائیں گے!!۔ ہمارے لئے خاتون جنت، دو عالم کی شہزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی ماذل ہی نہیں۔ لیکن معرفت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے معاشرے نے کبھی آپ کی ذات کو اس زاویے سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اسی لئے غیر اسلامی ماذل کی اتباع کی وجہ سے زوال، پسمندگی اور انحرافات نے معاشرے کو بکاڑ کے رکھ دیا ہے۔ کیا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی ہستی کے ہوتے ہوئے ہماری خواتین کو اپنی زندگی کے اسوہ حسنہ کی تلاش کے واسطے در بر کی ٹھوکریں کھانی پڑتیں؟ ہم قصور وار ہیں ہم نے آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی کو مثالی خاتون کے حوالے سے کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تو دوسروں کو کیا سمجھاتے۔

چند ایک دلائل کی بنیاد پر یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ نہ فقط مسلمان خواتین بلکہ پوری دنیا کی خواتین کے واسطے آپ سے بڑھ کر ایک ہمہ گیر، دائیٰ اور بغیر کسی نقش اور عیب کے، ایک مکمل آئینڈھل کوئی اور واقع نہیں ہو سکتی ہیں۔

☆ پونکہ آپ خود ایک عورت تھیں اور اسکے ساتھ ساتھ کمال سعادت کے عروج پر فائز تھیں لہذا صنف خواتین کے مسائل کے واسطے ایک عورت ہی ہمہ گیر آئینڈھل ہو سکتی ہیں۔

☆ آپ ایسے مکتب کی بیٹی اور پاسبان ہیں جو جاوداں اور ہمیشہ رہنے والا مکتب ہے لہذا اس مکتب کے پاسبان بھی ابدی ہیں رہتی دنیا تک باقی ہیں جن کے یہ فرایم آب زر سے لکھنے والے ہیں۔ "فاطمۃ سیدۃ النساء اهل الجنة" "یا فاطمۃ الاتر ضیفیں ان تکونی سیدۃ نساء العالمین و سیدۃ نساء هذه الامّة و سیدۃ نساء المؤمنین"

کائنات کی عظیم شخصیتوں نے آپ کو اپنی پوری زندگی میں اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور اپنے آئینڈھل کے طور پر آپ کا انتخاب کیا۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ہر فکری اور عملی کارنامہ انسانی اور فطری اصولوں پر مبنی ہے۔ یہ اصول ابدی ہیں ان میں کبھی بھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں آسکتی۔ زمانے اور وقت کے تقاضے صرف ہماری انہی ضرورتوں کو بدل دیتے ہیں جنہیں ہم دوسری ضرورتوں کا نام دیتے ہیں لیکن اصول کبھی نہیں بدلتے، ہو سکتا

ہے کہ ہماری روشن اور طور طریقہ بدل جائے۔" مثال کے طور پر ظلم اور ظالم کے خلاف احتجاج کرنا، لوگوں کو ظلم سنبھنے سے پر ہیز دلانا ایک ایسا دلچسپی فطری اور انسانی اصول ہے جو زمانے کی تبدیلیوں کی وجہ سے کبھی نہیں بدلتا، چاہے پھر کے زمانے کا غیرمہذب انسان ہو یا عصر حاضر کا تعلیم یافتہ اور مہذب انسان یا پھر آنے والا بشر ہو یا سب کے سب اس اصول کے پابند ہیں لیکن زمانے کے تقاضے صرف ظلم و ظالم کے خلاف احتجاج کرنے کے طریقہ کار میں تبدیلی لاتے ہیں۔ لہذا اس اعتبار سے کبھی دیکھا جائے تو ہم حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زندگی کے ان اصولوں کو آج بھی اپنا سکتے ہیں ان پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور اپنی زندگی کو خوشگوار بنائے سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کو دیکھا جائے تو یہ نہ فقط صنف خواتین کے لئے بلکہ پوری انسانیت کے واسطے مثالی خاتون اور آئینہ میل ہو سکتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ بھی اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سیرت فرزندہا از امہات جوہر صدق و صفا از امہات
مزاع تسلیم را حاصل بتول مادران را اسوہ کامل بتول

(رموز بے خودی)

- ☆ حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں کچھ اہم اصول پائے جاتے ہیں جن کا سرچشمہ اسلام ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:
- ☆ زندگی میں ایک خاص قسم کا نظم و نسق حاکم تھا اور ہر کام کا ہدف معین اور مشخص تھا۔
- ☆ خدا کی جانب سے نازل شدہ آئینے اور قانون پر مکمل ایمان اور عقیدہ رکھتی تھیں۔
- ☆ آپکا عمل اور سوق اسلامی تعلیمات سے عین مطابقت رکھتی تھی۔
- ☆ اپنے سارے اعمال تقویٰ، زہد اور درع کے دائے میں انجام دیتی تھیں۔
- ☆ اپنے ہر کام کو بنا کسی افراط اور تفریط کے اعتدال و میانہ روی کے ساتھ انجام دیتی تھیں۔
- ☆ اپنے ہر کام میں مسلمانوں کی مصلحت اور منفعت کا خیال رکھا کرتی تھیں۔
- ☆ معاشرتی کاموں میں بھرپور شرکت کر کے جاہلیت کے تصور پر کاری ضرب لگائی۔
- ☆ اپنے اہداف اور مقاصد کے حصول کے لئے خیتوں اور مشکلات کو صبر اور استقامت سے برداشت کیا۔
- ☆ خدا پر مکمل ایمان کی وجہ سے یاد خدا سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتی تھیں۔
- ☆ اسی اعتدال اور ایمان کی وجہ سے بہادری اور شجاعت کا مظہر تھیں۔
- ☆ خدا کی عطا پر قناعت کرتی تھیں۔
- ☆ صالح اور پاکیزہ ہستیوں کی اقتداء کرتی تھیں۔

☆

☆

☆

☆

خدا کی رضا کو مخلوقات کی رضا پر ترجیح دیتی تھیں۔

اپنی انسانی عزت، عظمت اور کرامت کی حفاظت کرتی تھیں۔

ظلم و ستم کے خلاف اتحاج کرتی تھیں۔

آپکی زندگی مسلسل جدوجہد اور مبارزت کا دوسرا نام تھا۔

حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں یہ سارے اصول کا فرماتھے۔ یہ اصول بھی بدلتے نہیں بلکہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والے ہیں تبھی تو فاطمہؓ ہمیشہ زندہ ہے۔ اسی بقا کی وجہ سے فاطمہؓ ہمیشہ اور ہر جہت سے مثالی معاشرے کی بنیاد کے لئے ایک آئینہ میل اور مثالی خاتون ہے۔

علامہ اقبالؒ، حضرت فاطمہؓ مسلمان خواتین کے واسطے ماؤل کے عنوان سے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند چشم ہوش از اسوہ زہرا مبدہ
تا حسینی شاخ تو بار آورد موسم پیشین بلکزار آورد

(رموز بے خودی)

اسلام نے مثالی عورت کا جو تصور پیش کیا ہے اس تصور کی روشن اور پاکیزہ تصویر خود پیغمبر اسلام نے اپنے انسانیت طراز ہاتھوں سے بنائی تھی جس طرح سونے کو آگ میں تپا کر کرندن بنایا جاتا ہے اسی طرح پیغمبر اسلام نے آپ کو تختی، فقر اور جدوجہد کی آنچ میں تپا کر نکھارا۔ آپ کی تعلیم و تربیت پر بڑی گھری اور کڑی نگاہ رکھی اور آپ کو حیرت انگیز انسانی خوبیوں کا مظہر بنادیا۔

وہ ہر اعتبار سے ایک مثالی عورت تھیں، نسوانیت کی تمام گوناگون الیاد کے لے ایک مثالی نمونہ ہیں۔

اپنے عظیم باب کے حوالے سے----- ایک مثالی بیٹی۔

اپنے شوہر کے حوالے سے----- ایک مثالی بیوی۔

اپنے بچوں کے حوالے سے----- ایک مثالی ماں۔

ان کا اسوہ عورتوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے، ہر اس عورت کے لئے جو آزادانہ طور پر اپنی شخصیت کی تعمیر کرنے کی خواہش مند ہو ان کی حیرت انگیز جدوجہد اور کشمکش سے لبریز زندگی، داخلی اور خارجی محاذ پر ان کا مسلسل جہاد، اپنے باب کے گھر اپنے شوہر کے گھر اور اپنے معاشرہ میں ان کا کردار، ان کی فکر، ان کا عمل غرض ان کی جامع اور مثالی شخصیت اس سوال کا مکمل جواب ہے کہ ایک عورت کو کیسا ہونا چاہیے؟ (فاتحہ فاطمہؓ ہے)

جدید تعلیم اور صوفی ازم ڈاکٹر فرجین اقبال

جدید تعلیم جو آکسفورڈ کی کتابوں پر مشتمل ہے جس میں ہر موضوع جو سائنس سے تعلق رکھتا ہوا بتدا سے ہی اس کی بنیاد سے متعلق مفید معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔ اگر یہ عمارت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو تو آگے چل کر ہنی نشوونما کے نئے درتیچھ کھوتی ہے اور انسان ترقی کی منازل آسمانی سے طے کرتا چلا جاتا ہے۔ چاہے یہ انسان مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ جہاں تک مشرق کا تعلق ہے تو ہر ایسا علم جو انسان کو دین کے قریب کرے دینی علوم کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔ دینی علوم مخصوص نہجہ کا ہی نام نہیں بلکہ خدا سے تعلق کو مضبوط بنانے میں جو علم بھی فائدہ دے وہ دینی علم کے زمرے میں ہی آتا ہے چاہے وہ کوئی میڈیکل کی Speciality ہو یا انحصاری نگ کا کوئی باب، یہ سب تو انسان کی ہنی بالیدگی کے لئے ضروری ہے۔ اہل مشرق کو جوبات مغرب سے ممتاز کرنی ہے وہ یہاں صوفیائے کرام کا موجود ہونا اور روحانی تربیت میں اپنا حصہ ڈالنا ہے جو کہ انسانیت کی بقا کے لئے بہت ضروری ہے۔

بر صغیر پاک و ہند میں اولیائے کرام نے اپنے حسن اخلاق، محبت اور کردار سے افراد کی روحانی تربیت کی نہ صرف افراد کی بلکہ پورے اسلامی معاشرے کی بہتری کے لئے اقدامات کئے۔ دین اسلام انسانی معاشرت کی بہتری کا عظیم داعی ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں فرد کی راہنمائی کرتا ہے۔ تصوف یعنی صفائے قلب یا روحانی بالیدگی کی ضرورت ہر دور میں محسوس کی گئی ہے۔ تصوف روح کی اصلاح کا ضامن ہے۔ اگر ہمارے ارباب اختیار بچوں کے سکول کے سلسلہ میں اولیائے کرام کے کارنا میں نمایاں طور پر شامل کریں تو نہ صرف یہ قوم کی ترقی کے لئے روحانی فیض ہوگا بلکہ ہر شعبۂ زندگی کے لوگ اسے اپنی تعلیم کا ضروری حصہ خیال کرتے ہوئے معاشرتی سکون پائیں گے۔ اولیاء اللہ چونکہ روحانیت اور علم کا سرچشمہ ہیں اس لئے ان کی محبت کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

ان سے محبت کرنے والوں کا شمار بھی اللہ کے دوستوں میں ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث اولیاء اللہ کی عظمت و شان اور عزت و حرمت پر شاہد ہیں۔ حضور سرور کائنات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کے مطابق امت محمدی کسی زمانے میں بھی اولیاء اللہ اور علمائے صالحین سے خالی نہیں ہوگی اور اولیاء و صالحاء ہی درحقیقت صوفی ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں جو شریعت ظاہری کے علمبردار اور طریقت کے مظہر ہیں جو اپنی سیرت و کردار سے امت مسلمہ کو شریعت و طریقت پر چلاتے ہیں۔ یہی صوفیائے عظام انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں۔ یہی صوفی ازم اگر ہماری جدیدیت کا حصہ بن جائے تو یہ تشدید کی فضا اور بے چینی کا ماحول یقیناً ایک

پر سکون معاشرے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

آج ضرورت ہے جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت میں اولیائے کرام کی تعلیمات شامل کی جائیں اپنے آباؤ اجداد کے انکار سے آگاہ کیا جائے۔ بر صغیر پاک و ہند ہی نہیں پوری دنیاۓ اسلام انہی کی رشد و ہدایت سے منور ہے۔ ان حضرات نے تصوف کے ایسے مرائز اور خالق ہیں قائم کیں کہ تخت نشینوں کو رشک آنے لگا۔ اگر صدیوں پر محیط صوفیائے عظام کی مساعی کو نظر انداز کیا جائے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیری، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت دامت عَنْ بخش علی ہجویری، حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت شاہ رکن عالم جیسے بزرگان دین کے فیضان اور خدمات سے کسی طور انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت بہاء الدین زکریا نے ملتان میں بر صغیر کی پہلی اقامتی درسگاہ قائم کی جس میں دینی و عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف علوم و فنون کے شعبے قائم کئے۔ اسی دور میں مختلف زبانوں مثلاً عربی، فارسی، سندھی اور سرائیکی زبانوں نے فروغ پایا۔

آج جو لوگ ان بزرگان دین اور ان روشن نفوس قدسیہ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانا تو درکنار بے ادبی کی حد تک ان کے مزارات پر جانے کو اچھا خیال نہیں کرتے ایسے لوگوں کی ذہنی صحت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جو محض دنیاوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور عام لوگوں تک یہ خیالات اس طرح پہنچاتے ہیں کہ مانگو تو ڈاڑھیکٹ اللہ سے مانگو حالانکہ اولیاء اللہ تو رب کا قرب حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہوتے ہیں۔

روزمرہ زندگی میں اگر ہمیں کسی اعلیٰ افسر سے بات کرنی ہو تو ہم ڈاڑھیکٹ جا کر اس کے سامنے اپنا معا پیش نہیں کر سکتے بلکہ ہم ویلے تلاش کرتے ہیں ایسے بندوں کا جو اس اعلیٰ افسر کے قریب ہوتے ہیں جس کی وہ بات زیادہ سنتا ہے، بہ نسبت عام لوگوں کے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ ان اولیائے کرام نے یہ قرب الہی شدید مجاہدے کے بعد حاصل کیا ہوتا ہے۔

صوفیائے کرام نے تصوف کی معنویت کے پیش نظر خدمتِ خلق پر زور دیا۔ انہوں نے خدا پرستی، تصوف، تقویٰ، پرہیز گاری، صبر و تحمل، برداشت، عفو و درگذر، محنت، دیانت و امانت اور حقوق العباد کی ادائیگی پر زور دیا۔ دور حاضر میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ ان اولیائے کرام کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

آج کے معاشرے میں فرقہ وارانہ اختلافات، دہشت گردی اور تمام تعصبات کے خاتمے کے لئے ان کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

صوفیائے عظام کو خارج عقیدت پیش کرنے کا اصل طریقہ یہی ہے کہ ہم معاشرتی برائیوں کے خاتمے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

ان صوفیائے عظام کے سالانہ عرس کا انعقاد ان کی آفاقی تعلیمات کے فروغ کے لئے دراصل تجدید ہے تاکہ ہم اپنے اندر محبت کا جہاں آباد کریں۔ ملت کے تمام طبقات اور مکاتب فکر اپنی پسندی اور شدت پسندی کے خلاف مشترکہ موقف اختیار کریں۔

طنز و مزاح اور ظرافت

آج کے دور کی اہم ضرورت

رابعہ الرّبّا

لفظ، طنز و مزاح، عمومی معانی میں مذاق و بہنسی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ طنز کے لغوی معانی تو کسی کو طنز و طعن کا نشانہ بنانا ہے۔ جس سے اس کی دل آزاری ہو اور دین اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ ادب میں یہ الفاظ ایک ساتھ مردوج ہیں لیکن اس میں بھی طنز، ایسا لفظ یا جملہ ہے جس سے دوسروں کی دل آزاری نہ ہو۔ جس کا مقصد عامیانہ مزاح پیدا کرنا ہے ہو۔

طنز و مزاح یا شَفَقَتَّی و ظرافت آج کے دور کی اہم ضرورت بن چکا ہے بلکہ یہ ہر دور کی ہی اہم ضرورت رہا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ ہر پہلا دور ہر آنے والے دور کی نسبت پر امن تھا۔ جس طرح کھانے کے بعد میٹھا ضروری ہوتا ہے چاہے کم مقدار میں ہی کیوں نہ ہو۔ یونہی موجودہ دور میں ظرافت کی شیرینی لازمی ہے۔ مزاح وہ دوا ہے جو دونبھی ہو تو اس کے اثرات ثابت ہی ہوتے ہیں۔ سامنی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسکرانے سے انسانی خلیوں اور عضلات پر ثابت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور تناو کم ہوتا ہے۔ انسان تو ان رہتا ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑھاپا دیر سے آتا ہے۔

آج ہم جس معاشرے و ماحول میں سانس لے رہے ہیں ہر جا ٹینش، عجیب خبروں اور حالات کے تغیر، مہنگائی و کم آمدن نے انسانی اعصاب کو مسلسل تناو کا شکار کر رکھا ہے۔ انسان ان سے فرار کی راہ نہ شے اور اس قسم کی دوسری عادات میں تلاش کرتا ہے جو کسی بھی مسئلے کا حل نہیں۔ البتہ شَفَقَتَّی و ظرافت کسی حد تک انسان کو ہلاک پہلکا کر دیتے ہیں۔

ایک عام انسان کے تجربے میں یہ بات عموماً آتی ہے کہ اگر کوئی شخص اداہی و تناو کا شکار مسلسل ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ وقت طور پر اس کا ماحول تبدیل کر دو اور اگر اسے بہنی مزاح کرنے والے ساتھی میر آجائیں تو وہ اگرچہ اپنے غم سے چھکارا تو نہیں پاتا مگر بے حال بھی نہیں ہوتا۔

ظرافت انسان میں جہاں تو انہی پیدا کرتی ہے وہیں رجاہیت و امید کی بھی ایک صورت ہے کہ انسان مایوس اور نامید نہیں ہوتا۔ زندگی کی مشع ڈگنگانی ہے مگر روشن رہتی ہے۔

ظرافت و شکنگی یا طزرو مزاح خوش اخلاقی کی اعلیٰ ترین صورت ہے جو ہمارے دین کا اہم حصہ ہے کہ ہمارے تو نبی ﷺ ہی خوش اخلاق تھے۔ یہ ایک ایسا وظیفہ بھی ہے کہ جو انسانوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، پُرکشش ہے جو انسان کو دوسروں میں عزت و مقبولیت عطا کرتا ہے۔

آج ہم جس افترغیری و اضطراب و ہیجان کے دور سے گزر رہے ہیں اس میں اگر کوئی وظیفہ کام آسکتا ہے تو مزاح ہے۔ اگر کوئی دوا اصلی ہے تو ڈرافٹ و شکنگی ہے مگر دھیرے دھیرے یہ معدوم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر یہی روشن ہی تو انسان مایوسی کے اندر ہیروں میں چلا جائے گا اور ہمارا دین مایوسی کو ناپسند کرتا ہے۔

بارش کافی عرصہ نہ ہو تو زمین خبر ہو جاتی ہے اور اس زمین پر فصل نہیں اگ سکتی۔ قحط زدگی ہونے لگتی ہے اور علاقہ کو آفت زدہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ یونہی مزاح و شکنگی کے بغیر زندگیاں قحط زدہ ہو جاتی ہیں اور نسل انسانی اعتماد کے زیر سے خالی ہو جاتی ہے بچے جونوید نہ ہوتے ہیں مر جھائے پھول بن جاتے ہیں کیونکہ ان کی نمو و پرورش کرنے والے اذہان آفت زدگی کا شکار ہوتے ہیں۔

اللہ نے انسان کو منع فرمایا کہ زمانے کو برا نہ کہو زمانہ میں ہوں اور نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا کہ ہر آنے والے دور سے بہتر پہلا دور ہوگا۔ تو اسے صاف ظاہر ہے کہ ہم قیامت کی طرف سفر تو کر رہے ہیں مگر وقت و زمانے کو برا کہہ کر گناہ کمانے سے بہتر ہے حالات کی کڑوی گولی پر مزاح کی شیرینی چڑھا کر اس کو کھالیا جائے۔

ہمیں مزاح و شکنگی کی بہت عمدہ مثالیں اپنے دین اسلام میں ہی مل جاتی ہیں۔ ”ایک مرتبہ حضور ﷺ اور صحابہؓ کوئی بھی کھجوریں کھارہے تھے اور کھجوروں کی گھٹلیاں سب اپنے سامنے رکھتے جا رہے تھے لیکن حضور ﷺ اپنی گھٹلیاں حضرت علیؓ کی گھٹلیوں میں رکھ رہے تھے۔ جب سب کھا چکے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھتے ہیں سب سے زیادہ کھجوریں کس نے کھائیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا یہ بھی دیکھئے کہ گھٹلیوں سمیت کھجوریں کون کھا گیا؟“

ایک مرتبہ خلفاء راشدین میں حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ، حضرت سیدنا عمر فاروقؓ اور حضرت سیدنا علیؓ کوئی اکٹھے تشریف لے جا رہے تھے۔ درمیان میں سیدنا علیؓ کو اکٹھے تھے اور دائیں بائیں دونوں اصحاب تھے۔ سیدنا علیؓ کا قد مبارک دونوں کی نسبت قدرے چھوٹا تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے مزاہ ارشاد فرمایا: حضرت علیؓ ہمارے درمیان ایسے معلوم ہو رہے ہیں جیسے لفظ نہ میں ن ہوتا ہے۔ اس پر سیدنا علیؓ نے جواباً مزاح فرماتے ہوئے بڑا پیارا جواب ارشاد فرمایا کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر درمیان سے ن کو نکال دیا جائے تو لا رہ جاتا ہے یعنی باقی کچھ بھی نہیں پچتا۔

اس سے ہمیں صحابہؓ والی بیت اطہارؓ کے درمیان محبت و پیار، اتفاق و اتحاد اور اخوت و بھائی چارے کا درس بھی ملتا ہے کہ ان کے درمیان تناو نہیں بلکہ خوشنگوار اور کھلا ماحول تھا جیسے آج ہم سب کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

آئیے قرآن سیکھیں

حافظ محمد سعید رضا بغدادی

عرفان القرآن کورس

درس نمبر 49 آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۵ (سورہ البقرہ)

تجوید

سوال: مَدَّاتٍ کی تفصیل بیان کریں؟

جواب: مَدَّاتٍ کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ مَدٌ لازم کلمی مُخَفَّفٌ کی تعریف مع امثال

اگر کسی کلمے میں حرفِ مَدٌ کے بعد ایسا حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی ہو یعنی وقف کرنے کے سبب پیدا نہ ہوا تو ایسے حرفِ مَدٌ کو ”مَدٌ لازم کلمی مُخَفَّفٌ“ (زی سے پڑھی جانے والی) کہتے ہیں۔
مثال: أَلَّمْ (سورۃ یونس)

۲۔ مَدٌ لازم کلمی مُثَقَّلٌ کی تعریف مع امثال

اگر کسی کلمے میں حرفِ مَدٌ کے بعد کوئی حرف مشدد ہو تو اسے بھی مَدٌ لازم کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ایسے مَدٌ کو ”مَدٌ لازم کلمی مُثَقَّلٌ“ کہتے ہیں۔ مثال: حَاجَةٌ۔ اس کی مقدارِ مَدٌ بھی ”تین الف“ کے برابر ہوتی ہے۔

۳۔ مَدْ لازم حرفی مُخَفَّفٌ کی تعریف مع امثال

اگر کسی حرف مَدَہ کے بعد سکون اصلی بغیر تشدید کے ہو تو اس کو مَدْ لازم حرفی مُخَفَّفٌ کہتے ہیں۔ جیسے: الْمَ میں یا یَ مَدَہ کے بعد میم کا سکون اصلی ہے۔

۴۔ مَدْ لازم حرفی مُشَقْل کی تعریف مع امثال

اگر کسی حرف میں سکون اصلی بالتشدید ہو تو اس کو مَدْ لازم حرفی مشقل کہتے ہیں۔ جیسے: الْمَ

ترجمہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَمْنَوا وَاتَّقُوا الْمَثُوبَةُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ط

خَيْرٌ	اللَّهُ	عِنْدِ	مِنْ	لَمَشْوِبَةُ	وَاتَّقُوا	أَمْنَوا	أَنْهُمْ	لَوْ	وَ	مِنْ
لفظی ترجمہ	بہترین	کے	پاس	ایمان لاتے	تو ثواب ملتا	پاٹ	بیشک وہ	اور	اگر	خیر
عرفان القرآن	اور اگر وہ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو اللہ کی بارگاہ سے ثواب کہیں بہتر ہوتا									

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ يَا يَاهَا الَّذِينَ أَمْنَوا لَا تَقُولُوا رَاعَنَا

رَاعَنَا	تَقُولُوا	لَا	أَمْنَوا	الَّذِينَ	يَا يَاهَا	يَعْلَمُونَ	كَانُوا	لَوْ	مِنْ
لفظی ترجمہ	کہو	کہو	ایمان لائے	اوہ جانتے	اے	لوگو جو	ہوتے	کاش	کاش
عرفان القرآن	کاش وہ آگاہ ہوتے۔ اے ایمان والو! (نبی اکرمؐ کو متوجہ کرنے کیلئے) رَاعَنَا ملت کہا کرو۔								

وَقُولُوا انظُرُنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابُ أَلِيمٌ ۝

أَلِيمٌ	عَذَابُ	لِلْكَافِرِينَ	وَ	اسْمَعُوا	انْظُرُنَا	قُولُوا	وَ	مِنْ
لفظی ترجمہ	اور	ہماری طرف نظر فرمائیے اور	اوہ	بغور سنتے رہا کرو	کافروں کیلئے	عذاب ہے در دنا ک		
عرفان القرآن	بلکہ انظرنا (ہماری طرف نظر کرم فرمائیے) کہا کرو اور بغور سنتے رہا کرو اور کافروں کیلئے در دنا ک عذاب ہے							

مَا يَوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكُينَ

الْمُشْرِكُينَ	لَا	وَ	أَهْلِ	الْكِتَابِ	كَفَرُوا	الَّذِينَ	يَوْدُ	مَا	مِنْ
لفظی ترجمہ	مشرکین	نہ	اور	کتاب	کافر ہوئے	سے	اوہ لوگ جو	چاہتے ہیں	

نہ وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے کافر ہو گئے ہیں اور نہ ہی مشرکین اسے پسند کرتے ہیں۔

أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ طَوَالَهُ يَحْتَصُ

يَحْتَصُ	وَاللَّهُ	وَ	رَبِّكُمْ	مِنْ	خَيْرٍ	مِنْ	عَلَيْكُمْ	يُنَزَّلَ	أَنْ	متن
لفظی ترجمہ	یہ کہ	نازل کی جائے	تم پر	کوئی نیک بات سے	تمہارے رب اور اللہ خاص کر لیتا ہے					
عرفان القرآن										

بِرَحْمَةِ مَنْ يَشَاءُ طَوَالَهُ دُوَّالَقَضْلُ الْعَظِيمُ ۝

يَحْتَصُ	الْفَضْلُ	دُوَّالَقَضْلُ	الْعَظِيمُ	مِنْ	يَشَاءُ	وَ	اللَّهُ	دُوَّ	بِرَحْمَةِ	مِنْ	بِ	متن	
لفظی ترجمہ	فضل	فضول	العظيم	او	چاہتا ہے	اور	اللہ	فضول	رحمت	او	رحمہ	او	
عرفان القرآن													

اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر

وَلَوْ أَنْهُمْ أَمْنُوا وَاتَّقُوا... الخ

ایمان اور تقوی کا اجر بہتر اور اخروی معاوضہ اعلیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَأَيْنَا... الخ

ا۔ شان رسات آب ملٹیپلیکیٹم میں معمولی گستاخی بھی کفر ہے۔ اس آیت کریمہ میں حضور ملٹیپلیکیٹم کے ادب و احترام اور تعظیم و تکریم کا ایک اصولی ضابطہ امت مسلمہ کو عطا کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ ملٹیپلیکیٹم کی بارگاہ اقدس میں گستگو کے آداب کیا ہونے چاہئیں۔ حضور ملٹیپلیکیٹم جب اپنے صحابہؓ سے کلام فرماتے تو اگر انہیں کسی بات کی سمجھ نہ آتی تو وہ حضور ملٹیپلیکیٹم سے دوبارہ سننے کے لیے عرض کرتے

(”رَأَيْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ“ (یا رسول اللہ ملٹیپلیکیٹم ہمارے حال کی رعایت فرمائیے)

یعنی ہمیں سمجھانے کے لیے یہ بات دوبارہ ارشاد فرمائیے۔ یہ کلمہ فی نفس گستاخی کا نہ تھا۔ مگر یہودیوں نے اپنے خبث باطن کے باعث اسے غلط معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس سے دربار رسالت میں بے ادبی اور گستاخی کا پہلو نکلتا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں پر بھی اس لفظ کے استعمال کی پابندی لگا دی گئی۔ چونکہ اس میں گستاخی و بے ادبی کا مفہوم پیدا ہونے یا پیدا کر لیے جانے کا اختلال تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ ایسا لفظ

میرے محبوب ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور بعض روایات کے مطابق حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہود کو لفظ راعیناً غلط معنی میں استعمال کرتے سناتو کہا: يَا أَعْدَاءَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالَّذِي نَفَسَى بِيَدِهِ لَئِنْ سَمِعْتُهَا مِنْ رَجُلٍ مِنْكُمْ يَقُولُهَا لِرَسُولِ اللَّهِ لَأَصْرِبَنَّ عَنْهُ، فَقَالُوا أَوْ لَسْتُمْ تَقُولُونَهَا فَنَزَّلْتُ هَذِهِ الْآيَةَ۔ (تفسیر کبیر، کشاف، قرطبی، روح المعانی)

”اے اللہ کے دشمنوں اتم پر اللہ کی لعنت ہو، اس ذات کی قسم جس کے قدر قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں نے تم میں سے کسی کو یہ لفظ ”راعیناً“ حضور ﷺ کے حق میں بولتے ہوئے سن لیا تو میں اسکی گردان اڑا دوں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم بھی تو یہ لفظ بولتے ہو۔ چنانچہ اس لفظ کے استعمال کے معنی پر یہ آیت نازل ہو گئی۔“ لفظ راعیناً میں گستاخی و بے ادبی کے درج ذیل احتمالات تھے

(۱) یہود کی زبان میں یہ کلمہ تحیر کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور وہ اسے بطور گالی استعمال کرتے تھے۔

(۲) عبرانی اور سریانی زبان میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا جس کے معنی تھے ”تو ہبہ ہو جائے“

(۳) عربی زبان کا ایک معنی صاحب رعوت متکبر کا تھا ”راعین“ کے لیے۔ اور ایک معنی جاہل اور حمق کا بھی تھا۔ گو راعین اور لفظ تھا اور وہ رعوت سے تھا اور ”راعینا“ رعایت سے تھا اور اس کا معنی تھا ہمارے حال کی رعایت فرمائیے مگر راعین اور راعیناً بولتے وقت کوئی بد بخت اضافت کا تعلق بنا سکتا تھا اور اس طرح لفظ راعین کا معنی، مفہوم اور منسوب کیے جانے کا امکان تھا۔

(۴) یہود اپنی گستاخانہ ذہنیت کے باعث آپس میں راعینا کے لفظ کو دبایا کر راعیناً کہتے تھے جس کا معنی ”ہمارے چہ دو ہے“ بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی مخلوقوں میں سرکار دو عام ﷺ کی گستاخی اور تفحیک کے ذریعے اپنے بعض وحدت کی آگ کو ٹھڈٹھا کرتے تھے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یوں آیا ہے: ”راعینا لیا بالگلستہم“ (راعنا کو اپنی زبان مردوڑ کر بولتے ہیں)

(۵) قطرب نے بیان کیا ہے کہ یہ لفظ بعض اوقات اہل حجاز تفحیک اور تفسیر کے وقت بھی استعمال کرتے تھے۔

(۶) الراعی بین اثنین میں دو بولنے والوں کے لیے برابری اور مساوات کا مفہوم پایا جاتا ہے لہذا اس لفظی مناسبت کی بنا پر راعیناً میں بوقت مخاطب مفہوماً لوگوں کی حضور ﷺ سے مساوات اور برابری کا گمان ہو سکتا تھا۔

(۷) قاضی عیاض نے الشفاء میں بیان کیا ہے کہ لغت النصار کے مطابق اس لفظ راعینا کے استعمال میں قلت ادب اور عدم تعظیم و تو قیر کا پہلو نکلتا تھا کیونکہ مقامی لوگ اس لفظ کو اس جگہ استعمال کرتے تھے جہاں خاص ادب و تعظیم ملحوظ نہ ہوتا اور بلا اہتمام خاص گفتگو کرنا مقصود ہوتی۔ (تفسیر منہاج القرآن)

توبہ اور آنسوؤں کی بستی

شہر اعتکاف برائے خواتین اعتکاف 2012ء

ترکیبِ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے تعلیم و تربیت کے عملی نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ مفادِ پرستی، نفرت، کدورت اور حرص و ہوس کے اس دور میں جہاں ہر طرف نفسانی کا عالم ہے۔ وہاں تحریکِ منہاج القرآن چراغِ محبت رسول ﷺ کی ضیاء سے منور کر رہی ہے جس سے خواتین کو عملی طور پر صفائی قلب و باطن کے لئے روحانی وجہانی ماحول فراہم کیا جاتا ہے۔

گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی فہم دین، ترکیبِ نفس، اصلاح احوال اور اجتماعی توبہ کے لئے آنسوؤں کی بستی شہر اعتکاف کی صورت میں بسائی گئی جہاں دنیا بھر سے ہزارہا خواتین نے شرکت کی اور ہزارہا معتقدات نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی سنت میں اعتکاف کر کے اپنے قلوب واذہاں کو عشق الہی اور محبت رسول ﷺ سے منور کیا۔ موئی حالات کے پیش نظر چار ہالز میں معتقدات کی رہائش کا انتظام کیا گیا جن میں خدیجہ ہال، فاطمہ ہال، عائشہ ہال اور بیت النزہہ ہال شامل ہیں۔ اعتکاف کے انتظامات کے سلسلے میں صدر و ناظمہ کی زیر قیادت مجلس عاملہ اور دیگر ممبران کے ساتھ میئنگز منعقد کی گئیں۔ ان میئنگز میں اعتکاف کا ترتیبی، تنظیمی اور انتظامی پلان تیار کیا گیا۔ جس میں تمام ہالز کے انجام جزو سربراہان اور دیگر ذیلی کمیٹیز کو فائل کیا گیا اور تمام امور جن میں سحری، افطاری، میڈیاکل، صفائی، رجسٹریشن فیس وغیرہ شامل ہیں ان کے پلانز کو جنمی شکل دی گئی۔

ذمہ داران رفقاء اور کارکنان کے نظمی و تربیتی امور کے لئے باقاعدہ شیدول ترتیب دیا گیا۔ امسال اعتکاف کو کامیاب بنانے کے لئے جو کمیٹیاں بھرپور خدمات سرانجام دیتی رہی وہ درج ذیل ہیں:

میل کو آرڈینیشن کمیٹی: محترم شیخ زاہد فیاض (سربراہ مرکزی اعتکاف کمیٹی) کو آرڈینیشن محترم حاجی منظور حسین، محترم حافظ غلام فرید، محترم الیاس ڈاگر، محترم کیپٹن غلام حسن، محترم ساجد حمید۔

مرکزی کمیٹی: سربراہ محترمہ نوشابہ ضیاء، سینئر نائب سربراہ محترمہ ساجدہ صادق، نائب سربراہان میں محترمہ ڈاکٹر

نوشابہ حمید، محترمہ رافعہ علی، محترمہ فریدہ سجاد، محترمہ فرح ناز، محترمہ عائشہ شبیر، محترمہ گلشن ارشاد، سیکریٹری میں محترمہ سدرہ کرامت، محترمہ شاکرہ چوہدری، محترمہ گلشن ارشاد، ڈپٹی سیکریٹری: محترمہ افغان بابر، محترمہ نائلہ جعفر جبکہ دیگر ممبران میں محترمہ عائشہ شبیر، محترمہ نزید فاطمہ، محترمہ ارشاد اقبال، محترمہ نبیلہ یوسف اور تمام ہالز کی اچار جز مرکزی اعتمادی کمیٹی کی ممبران ہوئیں۔ لذت سال انتظامات میں جو خامیاں رہ گئی تھیں اس سال ایک باقاعدہ Plan کے تحت ان کو بہتر کرنے کی کوشش کی گئی۔

استقبالیہ و رجسٹریشن کمیٹی: سربراہ محترمہ ساجدہ صادق اور سیکریٹری محترمہ ارشاد اقبال جنہوں نے معمکنات کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ آنے والی معزز معمکنات کی رجسٹریشن کا کام محترمہ شاکرہ چوہدری اور محترمہ نبیلہ یوسف کے ذمہ تھا۔ انہوں نے رجسٹریشن کے کام کو موثر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

الائمٹ کمیٹی: جن کی سربراہ محترمہ افغان بابر، سیکریٹری محترمہ نائلہ جعفر جبکہ ممبران میں محترمہ ساجدہ صادق، محترمہ سدرہ کرامت، محترمہ گلشن ارشاد شامل تھیں۔ الائمٹ کمیٹی نے تمام معمکنات کو ان کے علاقے کے مطابق ہالز میں کمرے الٹ کئے۔ ان کمیٹیوں میں مرکزی کمیٹی کے علاوہ دیگر کمیٹیوں نے بھی بھرپور خدمت کی۔

میڈیکل کمیٹی: مگر ان ڈاکٹر نوشابہ حمید، سربراہ محترمہ شازیہ بانو اور سیکریٹری محترمہ سحرش عنایت تھی۔ جنہوں نے نہایت جانفتانی سے تمام معمکنات کو بروقت طبی امداد دینے کی ذمہ داری بحسن خوبی سرانجام دی۔ ڈاکٹر رضوانہ (MBBS)، ڈاکٹر راشدہ، ڈاکٹر بشری، ڈاکٹر غنیمہ، ڈاکٹر نازیہ، ڈاکٹر ثوبیہ، ممبران، آمنہ صفر، ندا گوہر، صائمہ صدف، کوثر شہزادی۔

ریکارڈ Keeping کمیٹی: جن کی سربراہ محترمہ نبیلہ یوسف تھیں۔ امسال معمکنات کے ریکارڈ کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کی ذمہ داری محترمہ نبیلہ یوسف نے سرانجام دی۔

سیل سنٹر کمیٹی: سربراہ محترمہ افغان بابر سیکریٹری محترم نائلہ جعفر۔ ان کی ٹیم نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف، CD's، پوسٹر، عطریات اور دیگر اشیاء کا سوال لگایا جس سے معمکنات نے کتب، CD's اور دیگر اشیاء خریدیں۔

میڈیا کمیٹی: دوران اعتمادی کے رپورٹر کو اعتمادی کا وزٹ کروانے اور ہدایات دینے کے لئے بھرپور انتظامات کئے گئے وہاں الیکٹرائیک اور پرنٹ میڈیا کے رپورٹر کو اعتمادی کا وزٹ کروانے اور ہدایات دینے کے لئے الگ الگ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس میں محترمہ سربراہ شاکرہ چوہدری، محترمہ بسمہ منظور نے روزانہ کی رپورٹ Internet پر دینے اور مختلف پہلوؤں سے اعتمادی کی مناظر کی تصاویر لیں۔

ڈسپلن اور سیکیورٹی کمیٹی: اعتکاف کے اتنے بڑے اجتماع کو نظم و نقش سے پایہ تکمیل تک پہنچانے متعلقات کی سیکورٹی کے لئے منہاج القرآن ویکن لیگ کی جانب سے بھرپور اقدامات کئے گئے۔ سیکورٹی ڈسپلن میں سربراہ محترمہ فوزیہ شوکت سیکرٹری عائشہ نیم جبکہ سیکورٹی میں سربراہ طاہرہ فردوس، سیکرٹری محترمہ زریں لطیف تھیں۔

ساونڈ سسٹم اور اعلانات کمیٹی: ہائز میں اطلاعات پہنچانے، اعلانات کرنے، سنتی اور دعا میں سکھانے اور پنڈال میں شیخ الاسلام کے خطابات کو بذریعہ کیبل نیٹ ورک ویکن اعتکاف میں Live ارکھنے کی ذمہ داری محترمہ قرۃ العین اور محترمہ عائشہ کیانی کے پاس تھی۔ آواز کی خرابیوں کو ٹھیک کروا کر ہر ہال کے کمرے تک پہنچانے کو یقینی بناتا بھی ساؤنڈ کی ذمہ داری تھی۔

صفائی کمیٹی: صفائی نصف ایمان ہے اور اعتکاف گاہ کے ماحول کو صاف سترہ اور پاکیزہ بنانے کے لئے محترمہ شہرbanو اور محترمہ شکیلہ ریاض نے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ اتنے بڑے پیلانے پر اعتکاف گاہ کو صاف سترہ رکھنے کے پیش نظر ہر ہال، پنڈال ٹیکنیک اور اوپن ایریا کے لئے الگ الگ کمیٹی تکمیل دی گئی تھیں۔

محفل نعمت و ذکر کمیٹی: متعلقات کو بھرپور روحانی ماحول دینے کے لئے سربراہ محترمہ گلشن ارشاد، سیکرٹری محترمہ افغان بابر تھیں۔ دوران اعتکاف اجتماعی نمازوں، محفل اور خاص طور پر قائد انقلاب کے خطاب کے دوران تمام ذیلی و مرکزی عہدیداران کی شرکت کو یقینی بانا اعتکاف گاہ کے مجموعی ماحول کو روحانی بانا پر توجہ دیتے ہوئے صلوٰۃ کمیٹی اور محفل ذکر و نعمت کمیٹی کے ذریعے عملی تربیت کرنا ان کی ذمہ داری میں شامل تھا۔ جس کو انہوں نے بخوبی سرانجام دیا۔

دعوتی امور کمیٹی: خواتین کو علمی و فکری تربیت کے لئے سربراہ محترمہ سدرہ کرامت، سیکرٹری محترمہ نائلہ جعفر، جنہوں نے اپنے کام کو منظم انداز سے کیا۔

زکوٰۃ کمیٹی: نگران محترمہ ڈاکٹر نوشابہ حمید، سربراہ صائمہ ایوب، سیکرٹری محترمہ قمر النساء خاکی تھیں جنہوں نے زکوٰۃ کویکشن کے فرائض سرانجام دیئے۔

میس کمیٹی: سربراہ محترمہ اسماء منظور نے اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر میس کے فرائض سرانجام دیئے۔ امسال بھی کوئی خاص شکایت کا موقع نہیں ملا۔

رابطہ و ملاقات کمیٹی: اس کی سربراہ محترمہ فاطمہ کامران نے اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر اپنا کام بخوبی

سرانجام دیا۔

ڈیکوریشن کمپنی: میں کو آرڈینینگ محترم الیاس ڈوگر، سربراہ محترمہ اینیلہ الیاس سیکرٹری نے بہت ہی خوبصورت رنگ کا پینڈال بنوایا اور ہاڑی میں مختلف تربیتی کارڈز اور فلکسیس پیسٹ کروائے۔

مبر شپ کمپنی: سربراہ محترمہ نائلہ جعفر سیکرٹری بشری جعفر۔ معمکنات کی مبر شپ کا حساب کتاب رکھنے کے لئے محترم سرفراز احمد خان نے اپنی خدمات سرانجام دیں۔

کینٹین کمپنی: سربراہ محترمہ افان بابر، سیکرٹری محترمہ نائلہ جعفر تھیں جنہوں نے کینٹین کی چیزوں کی کوالٹی کو چیک کیا تاکہ معمکنات کو صحت مند ماحول میسر آسکے اور ان کی صحت ٹھیک رہے۔

کنٹرول روم کمپنی: سربراہ محترم نبیلہ یوسف۔ کنٹرول روم کی چیزوں کا حساب رکھنا، مبران کی تقسیم کار کرنا۔ تمام مسائل کے خاتمے کا حل تجویز کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔ جن کو انہوں نے بخوبی سرانجام دیا۔

سالانہ روحانی اجتماع کمپنی: سربراہ محترمہ فریدہ سجاد اور سیکرٹری محترمہ مصباح کبیر۔ جنہوں نے بہت ہی احسن انداز سے سالانہ روحانی اجتماع کے انتظام و انصرام کو سنبھالا۔

کالج کو آرڈینینشن کمپنی: سربراہ محترمہ فرح ناز، سیکرٹری شمع قدیر۔ انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ بھرپور انداز میں اعتماد کے انتظام و انصرام میں معاونت فراہم کی۔

ماؤں سکول کو آرڈینینشن کمپنی: سربراہ پرنسپل نے بہت ہی احسن انداز سے معمکنات اور اعتماد انتظامیہ کا ساتھ دیا۔

دوران اعتماد بھرپور تعاون کرنے پر ہم مرکزی ویکن لیگ و اعتماد انتظامیہ، منہاج کالج برائے خواتین اور سکول کے شاف و طالبات کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

نوٹ: وہ خواتین جن کا ذکر بطور انتظامیہ لکھنے سے رہ گیا ہواں کے لئے ویکن لیگ و اعتماد انتظامیہ معذرت خواہ ہے۔

اطلاع: بعض ناگزیر وجوہات کی بیان پر ماہنامہ دفتر ان اسلام ماہ اکتوبر 2012ء میں شائع نہیں ہوگا۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔ ان شاء اللہ آئندہ اشاعت ماہ نومبر 2012ء میں ہوگی۔ (ادارہ دفتر ان اسلام)

منہاج القرآن ویکن لیگ کی سرگرمیاں

منہاج القرآن ویکن لیگ اسلام آباد کے زیراہتمام مقابلہ حسن قرات

منہاج القرآن ویکن لیگ اسلام آباد کے زیراہتمام مقابلہ حسن قرات مورخہ 4 اگست 2012ء کو منہاج المدینہ ہال میں منعقد ہوا۔ پروگرام کی صدارت محترم نصرت امین (جزل سیکرٹری منہاج القرآن ویکن لیگ اسلام آباد) نے کی۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن مجید و نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ پروگرام کی کمپرنگ کے فرائض محترمہ سحر بٹ (کواڑ جیبیر ایم ایم ایم) (سستر) نے سراجام دیئے جبکہ سندس رووف (ناظمہ مصطفوی سٹوڈنٹس مونٹ) اسلام آباد نے استقبالیہ کلمات پیش کیے۔

حسن قرات کے مقابلہ میں 12 طالبات نے حصہ لیا جبکہ جیوری کے فرائض محترمہ شیرین اور محترم فرخنہ نے سراجام دیے۔ محترمہ آمنہ یونیورسٹی، ثناء رووف اور شایعہ عنڈلیپ نے بالترتیب پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ پروگرام کا اختتام محترمہ نصرت امین کے اختتامی کلمات سے ہوا۔

ٹریننگ ورکشاپ برائے اعتکاف 2012

منہاج القرآن ویکن لیگ کے پلیٹ فارم سے منہاج کالج فار ویکن کی طالبات کے لیے اعتکاف کے حوالے سے تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں کالج کی تمام طالبات نے شرکت کی۔ ورکشاپ کی ابتداء میں مرکزی ناظمہ تربیت محترمہ گلشن ارشاد نے اعتکاف کے حوالے سے بریفنگ دیتے ہوئے طالبات سے کہا کہ انھیں تمام شہروں سے آنے والی معتقدات کا بھرپور طریقے سے خیال رکھنا ہے اور ہر کام اخلاص نیت کے ساتھ کرنا ہے۔ خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر رضاۓ الہی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی اور اپنے عظیم قائد شیخ الاسلام کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کے لئے کام کرنا ہے۔

بعد ازاں سابقہ مرکزی ناظمہ تربیت اور سربراہ ڈسپلین کمیٹی محترمہ فوزیہ شوکت نے طالبات سے فرمایا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی نظم و ضبط کو برقرار رکھیں اور ٹیم ورک کو فوکس کریں ہر فرد اپنی ذمہ داری کو بھرپور طریقے سے انجام دے، یہ دن آپ کی پرسنالیٹی کو سنوارنے میں اہم کردار دا کریں گے۔

منہاج کالج فار ویکن کی پرنسپل محترمہ فرح ناز نے طالبات کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ معتقدات کے لیے رول ماؤل ہیں، انھیں اپنی انا، اپنی تحکماوٹ اور اپنی پریشانیوں کو پس پشت ڈال کر معتقدات کے آرام و سکون کو ترجیح دینی ہے۔

آخر میں مرکزی ناظمہ MSM سٹریٹ مہ شاکرہ چودھری نے اختتامی کلمات ادا کرتے ہوئے ورکشاپ میں آنے والے تمام مہمانان گرامی، اضاف اور طالبات کا شکریہ ادا کیا اور آخر میں محترمہ نفوس یہ شوکت نے دعا کی۔

30 روزہ اسلامک لرنگ کورس (جہنگ)

منہاج القرآن ویکن لیگ فرید ملت یونٹ جہنگ صدر کے زیر اہتمام دوسرے عظیم الشان 30 روزہ اسلامک لرنگ کورس کا انعقاد 10 جون تا 10 جولائی 2012ء شیخ الاسلام کے والد گرامی فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادری کے قدموں میں واقع دارالعلوم فریدیہ قادریہ جہنگ صدر میں کیا گیا اس کا دورانیہ سہ پھر 3 بجے سے شام 7 بجے تک تھا۔ اس لرنگ کورس میں جہنگ کی مختلف تخلیقوں و علاقوں سے 60 سے زائد طالبات نے شرکت کی۔ اس کورس میں محترمہ مسز مریم قادری قادری ناظمہ فرید ملت یونٹ نے تجوید و قرات کے بنیادی قواعد کے ساتھ عملی مشق کروائی اور فقہی مسائل سے آگاہ کیا۔

محترم محمد صغیت اللہ قادری سجادہ نشین دربار فرید ملت و متوالی دارالعلوم نے فرید ملت اور قائد محترم کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور ان کے پیغام کو خواتین میں پھیلانے کا جذبہ پیدا کیا۔ محترم رانا محمد ادريس قادری نائب ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن نے طالبات کو منہاج القرآن کی بیرون ممالک کارکردگی کے حوالے سے جو پیچھر دیا۔ آخری دن تقریب تقسیم اسناد بھی دیدنی تھی جس میں بطور مہمانان گرامی قدر ہمیشہ شیخ الاسلام محترمہ نصرت جبیں قادری کے صاحب زادے غلام الحجی الدین قادری، محترم غلام سرور قادری، ضلعی امیر تحریک جہنگ محترم نور محمد کلیکہ، ضلعی ناظم تحریک جہنگ محترم حافظ محمد تقیل احمد قادری، ضلعی سیکرٹریٹ جہنگ اور محترمہ آمنہ شبیر معلمہ تخفیط القرآن ضلعی سیکرٹریٹ جہنگ میں خصوصی شرکت فرمائی۔ اس اختتامی تقریب میں لرنگ کورس میں تربیت حاصل کرنے والی طالبات کے چار گروپس نے نقابت، تلاوت، نعت اور خطابت کے ذریعے اپنے عملی جذبات کا مظاہرہ کیا اور تحریکی ترانے بھی پیش کئے۔ محترم نور محمد کلیکہ، غلام سرور قادری اور محمد صغیت اللہ قادری نے اپنے خطابات میں طالبات کو ہمیشہ ان جذبات کو سلامت رکھنے کی تقسیم اسناد اور خصوصی دعا کے ساتھ یہ لرنگ کورس اختتام پذیر ہوا۔

